رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۴ء نمبر ۱۲

فہرست مضامین

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز مینجر کے اہتمام سے چھپا

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ انگریزی پرچہ للعہ

حضرت اقدس کے مبارک ارشاد پر فدا ہو جانے والی پرجوش مردوں کی احتیاج

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدس نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کر کے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کر کے پُرزور تاکیدی الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت میں دس ہزار سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس تاکیدی ارشاد میں حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ:۔

"اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھ کر تاکیدی الفاظ میں فرمایا کہ۔

میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد میں جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں۔ اور اس خدمت میں جان توڑ کوشش کریں"۔

حضرت اقدس کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل میں ابتدائی تازہ جوش میں اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ میں تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن خاص مقامات سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس حکم کو مختص المقام یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کیلئے ہمیشہ کیلئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی۔ اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت میں کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایاں تھا۔ جو اُن کے لئے موجب تحصیل حسنات دارین ہوتا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہنچنے میں ابھی بہت کمی ہے۔ اس واسطے جملہ براوران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اپنی بھاری جماعت احمدیہ میں سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آویں۔ جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنیں تو تعداد خریداری کہیں دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدس کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے تن من دھن غرض کہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالے تمام سعادتمند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ثبوت

تمام مذاہب میں سے جنہوں نے دنیا کے کثیر حصہ پر اپنا اثر ڈالا ہے کسی بانی کی زندگی کے واقعات ایسے محفوظ نہیں جیسے بانی اسلام کے۔ یہ ایک ایسا دعوے نہیں جو کسی دلیل کا محتاج ہو یا جس پر کسی مخالف نکتہ چین کو لا تسلم کہنے کی گنجائش ہو۔ کیونکہ مخالف سے مخالف منقد جس نے مذاہب کی تاریخ پر غور کیا ہے۔ اس امر کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ جہاں دوسرے بڑے بڑے بانیان مذاہب کی زندگی کے واقعات دُھندلا پن اور تاریکی کے نیچے ایسے دبے ہوئے ہیں۔ کہ اُن کی صحت کا پتہ لگانا قریباً محال ہے۔ وہاں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تاریخ کی ایسی صاف اور کھلی روشنی کے نیچے ہے۔ کہ اس کا کوئی واقعہ بھی ہماری آنکھوں سے چھپا ہوا نہیں دوسری طرف یہ امر بھی محتاج ثبوت نہیں۔ کہ کسی مذہب کے پیروؤں نے اپنے مقدس پیشوا کی زندگی کے واقعات کی اس تحقیق اور تدقیق سے چھان بین نہیں کی جیسی کہ مسلمانوں نے۔ ایک ایک روایت کی صحت کے پرکھنے کے لئے وہ وہ صعوبتیں محدثین نے اُٹھائی ہیں۔ کہ جن کا ہم اس وقت کسی طرح صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ موقعہ ان تفصیلات کا نہیں۔ ہماری غرض اس جگہ اس امر کے بیان کرنے سے یہ ہے۔ کہ جس قدر مجموعہ روایات کا محتاط محققین نے پوری چھان بین کے بعد صحیح سمجھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بہت کم غلطی کا احتمال ہے۔ لیکن اس قسم کا احتمال ہمیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ اس سارے کے سارے مجموعہ کو ہی ہم رد کر دیں۔ کیونکہ اس طرح پر کسی تاریخی واقعہ کی شہادت پایۂ اعتبار

نوٹ:- اس مضمون کے بعض حصے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مضمون سے لئے گئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

تک نہیں پہنچ سکیگی۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اسی زمانہ میں باوجود تاروں اور ریلوں اور مطابع کے اس قدر وسیع انتظاموں کے ایک ایک حد تک ہر ایک واقعہ کی تفصیلات میں غلطیاں داخل ہوجاتی ہیں لیکن ان سے خود اس واقعہ کا بطلان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ امر دراصل اُس واقعہ کی صداقت اور صحت کا موید ہوتا ہے +

اس بیان سے ہمارا یہ مقصود ہے۔ کہ اگرچہ ہمیں قرآن کریم سے صریح اور بین ثبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ملتا ہے لیکن تاہم جن معجزات کا ظہور اس قسم کے مضبوط سلسلہ روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ان کو ہم کسی طرح نظر انداز نہیں کرسکتے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے متعلق روایات کو قبول یا رد کرتے وقت ایک ایسا طریق اختیار کیا جس پر ایک عقلمند انسان ہنسیگا۔ اور بہت ساری اناجیل میں سے جن کے جھوٹھ اور سچ میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں تھا۔ بعض کو بلاوجہ صحیح اور بعض کو بلاوجہ جھوٹھی قرار دیدیا۔ اور وہ بھی ایک ایسے زمانے میں جب ان روایات کی صحت یا عدم صحت کے پتہ لگانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ گیا تھا یعنی تین سو سال گذرجانے کے بعد۔ ایسی صورت میں کوئی محقق ان معجزات کو جو ان روایات میں درج ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اناجیل کی شہادت پر قبول نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ کسی اور طرح پر ان کا ثبوت بہم نہ پہنچے۔ لیکن اس کے برخلاف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کے متعلق ایک ایک روایت کے متعلق الگ الگ حیرت انگیز تحقیقات کیگئی ہے۔ اور وہ بھی ایک نہایت قریب زمانے میں جب کہ پوری تحقیق کے ساتھ ایسی روایتوں کی صحت یا عدم صحت کا پتہ لگالینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ اور کسی روایت کو صحت کے پورے درجہ پر قبول نہیں کیا گیا۔ جب تک کہ اُسکی شہادت تواتر کے ساتھ اور مختلف ذرائع سے ہاتھ نہیں آگئی۔ الغرض ان احادیث میں جن کو محققین نے کامل تحقیق کے بعد صحیح مانا ہے جو معجزات درج ہیں۔ وہ اپنے ساتھ ایک قطعی اور یقینی ثبوت رکھتے ہیں۔ اور کسی دوسرے ثبوت کے محتاج نہیں۔ لیکن اس مضمون میں ہم صرف قرآن کریم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ثبوت دیکھنا چاہتے ہیں +

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے۔ کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت جیسے جیسے نازل ہوتی رہی وہ ایسی طرح پر مخالفین و موافقین کے درمیان شائع ہوتی رہی کہ جسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اس کتاب پاک کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو اپنے نزول کے وقت مسلمانوں اور کفار کے درمیان میں

پورے طور پر شہرت نہ پا گیا ہو۔ وہ لوگ جنہوں نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھا کر اور تمام تعلقات کو قطع کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ اختیار کیا تھا۔ اُنکی غذا ہی وہ کلام آلہی تھی جو اُنکے محبوب پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہتی تھی۔ وحی کا ہر ایک لفظ اُنکی تسکین اور اطمینان کا باعث ہوتا تھا اور اس واسطے طرح طرح کی مصائب کے درمیان وہ تشنہ لبوں کی طرح سرچشمہ وحی کی آواز کے منتظر رہتے تھے۔ یہانتک کہ جو لوگ اُن میں سے اپنے کار وبار بھی کرتے تھے اُنہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دو دو آدمی ملکر ایک ایک روز اپنے مولے وآقا کی خدمت میں حاضر رہتا اور کوئی نیا کلام جو نازل ہوتا وہ اپنے ساتھی کو شام کو پُہنچا دیتا۔ اور پھر دوسرے دن دوسرا رفیق اپنی باری پوری کرتا۔ اور بہت سارے تو اُن میں ایسے تھے جو کسی وقت بھی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ہر ایک آیت کلام آلہی کی فی الفور تشہیر پا جاتی تھی۔ علاوہ اسکے کفار کو دین اسلام کی طرف بلانے کا سلسلہ دن رات جاری تھا۔ اور اسلیئے ہر ایک نئی آیت اُنکے کانوں تک اسی وقت پہنچ جاتی تھی۔ بلکہ ہر ایک مسلمان اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جو کچھ نیا کلام آلہی اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اُسے فی الفور دوسرے لوگوں تک پُہنچا دے خواہ وہ مخالف ہوں یا موافق۔ پھر علاوہ اس کے نماز میں جو کم از کم دن رات میں پانچ وقت پڑھی جاتی تھی قرآن کریم کا پڑھنا لازمی تھا۔ اور جس وقت امام بہ آواز بلند قرات پڑھتا ہوگا تو ممکن نہیں کہ کفار اس سے بیخبر رہتے ہوں۔ کاش مخالفین اسلام سوچتے تو اُن کو یہی ایک امر اسکی صداقت کا یقین دلا سکتا تھا کہ کیسی جُرأت سے اُسنے تمام اُن امور کو با آواز بلند ابتدا سے ہی دُنیا میں مشتہر کیا ہے۔ اس نے اپنی کسی بات کو مخفی نہیں رکھا۔ بلکہ اپنے متاع کو کھول کھول کر پیش کیا ہے تا جو کوئی نکتہ چینی اس پر ہو سکتی ہے کیجا وے۔ ایک طرف تو ہماری آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ ہے۔ کہ ایک شخص جسے آج خدا بنایا جاتا ہے ایک بات اپنے چیدہ دوستوں کو کہہ کر جھٹ ساتھ یہ حکم لگا دیتا ہے۔ کہ دیکھو یہ بات کسی کو کہنا نہیں۔ اور دوسری طرف ایک انسان جو رسول ہونے کا دعوے کرتا ہے نہ صرف اپنے دعوے کو ہی با آواز بلند بیان کرتا ہے۔ بلکہ ایک ایک لفظ کو جسے وہ خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اس جُرأت اور قوت اور شجاعت سے بیان کرتا ہے۔ کہ گویا اُسے پورا شعور حاصل ہے۔ اور وہ قطعی اور یقینی طور پر اس نتیجہ پر پُہنچا ہُوا ہے۔ کہ وہ صادق ہے۔ اور کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا۔ کہ اُسکی صداقت پر کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے۔ غرضیکہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت کا بروقت نزول مخالفین اور موافقین کے درمیان شہرت پا جانا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اُن کے مضامین کے متعلق مخالفین کو کسی طرح پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ اور موافقین بھی پوری بصیرت

سے اس کے صدق کے قایل تھے +

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم صاف طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات کے ظہور کو بیان کرتا ہے۔ بلکہ اسیوجہ پر کفار کو ملزم گردانتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے لفظ معجزہ کو کہیں استعمال نہیں کیا بلکہ ان خارق عادت امور کو جن کو عام اصطلاح میں معجزات کہا جاتا ہے لفظ آیات یا بینات یا آیات بینات سے تعبیر کیا ہے۔ ان الفاظ کا لفظی ترجمہ نشان یا کھلی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی ہستی اور مامورمن اللہ کی سچائی پر نشان اور کھلی دلیلیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی چونکہ غیب الغیب ہے اسلیئے وہ امور جن کو ہر ایک انسان عادت کے طور پر دنیا میں واقع ہوتے دیکھتا ہے اُسکی ہستی کے لئے نشان یا دلیل کا کام نہیں دے سکتے۔ اور ایسا پتہ صرف خارق عادت امور سے ہی لگتا ہے۔ اسی لئے اُسکو معجزہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا امر ہوتا ہے جس کے کرنے سے انسانی طاقت عاجز ہوتی ہے۔ اور جسکی کنہ کو انسان کا فہم پہنچ نہیں سکتا۔ قرآن کریم سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کو نشانیاں دکھائیں۔ مگر انہوں نے تمسخر اور تکذیب سے کام لیا۔ اور ان معجزات کو جادو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہا۔ اور نئے نئے نشانات اور اقتراحی معجزات مانگے یہ امر قرآن کریم کی مفصلہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔ واذا جاءتھم اٰیۃ قالوا لن نؤمن حتی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ (الانعام - ۱۲۵) اور جب کوئی نشان پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی نہیں مانینگے جب تک ہمیں خود ہی وہ باتیں حاصل نہ ہوں جو رسولوں کو ملتی ہیں + اس آیت سے ثابت ہے۔ کہ کفار کو معجزات دکھائے گئے۔ لیکن بجائے اسکے کہ ان معجزات کو دیکھکر وہ ایمان لاتے اُنہوں نے کہا کہ جبتک ہمکو خود یہ طاقتیں حاصل نہ ہوں ہم ایمان نہیں لاتے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرماتا ہے۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا (الانعام - ۱۰۵) خدا نے میری رسالت پر روشن نشان تمہیں دیئے ہیں سو جو اُنکو شناخت کرے اُس نے اپنے ہی نفس کو فائدہ پہنچایا۔ اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ ایسا ہی سورہ قمر کے ابتدا میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (قمر - ۲) جب وہ نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی ایک جادو ہے جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء کے نشانوں کو دیکھ کر اُنکے مُنکرین ان نشانات کو جادو کہتے رہے ایسا ہی یہ کافر بھی کرتے ہیں۔ گویا ان کی ناانصافی کا ذکر کرکے اس طور کا اقرار ان کا درج کیا ہے۔ کہ وہ نشانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ کہ وہ جادو ہے جیسا پہلے انبیاء کے نشان جادو تھے۔

واذا ذکروا لا یذکرون ۔ واذا راؤا ایۃ یستسخرون وقالوا ان ھذا الا سحر مبین (والصّٰفّٰت ۱۳-۱۴-۱۵) جس وقت نصیحت دیجاتی ہے تو قبول نہیں کرتے ۔ اور جب نشان دیکھتے ہیں تو ٹھٹھا کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے ۔ اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو معجزات دکھائے مگر اُنہوں نے ان نشانات کو ہنسی میں اڑایا اور جادو کہا ۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے ۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق و جاءھم البیّنٰت (آل عمران ۔ ۸۵) وہ لوگ کیونکر ایمان لاسکتے ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد انکار کیا ۔ اور وہ اقرار کر چکے تھے کہ یہ رسول برحق ہے ۔ اور کھلے کھلے نشان اسکی صداقت کے بھی دیکھ چکے تھے ۔ پھر سورہ بقرہ آیت ۹۹ میں فرماتا ہے ۔ ولقد انزلنا الیک ایات بینٰت ومایکفر بھا الا الفاسقون ۔ یعنی ہم نے تجھ پر کھلی کھلی نشانیاں اُتاری ہیں ۔ پس جو ان کھلے نشانوں کا انکار کرتا ہے وہ فاسق ہے ۔ اس جگہ بھی صفائی سے یہی ثابت ہوتا ہے ۔ کہ آنحضرتؐ نے کھلے کھلے معجزات کفار کو دکھائے مگر وہ تکذیب ہی کرتے گئے ۔ جیسے پہلے انبیاؑ کی تکذیب کی +

اب ان تمام آیات سے بداہت ثابت ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار عرب نے معجزات دیکھے مگر انکو جھٹلایا اور ہنسی کی اور جادو کہا اور نئی نئی شرطیں پیش کیں ۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قرآن کریم نے آنحضرت کے معجزات سے انکار کیا ہے کس قدر بیہودہ بات ہے ۔ باقی رہی یہ بات کہ ان معجزات کی تصریح قرآن کریم نے کیوں نہیں کی ۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ یہ معجزات بہ تفصیل معتبر روایات میں درج ہیں ۔ اور قریباً تین ہزار معجزہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں سے ثابت ہے ۔ اور ایسا ہی آپ کی ہزاروں پیشگوئیاں احادیث سے ثابت ہیں جو اپنے وقتوں پر پوری ہوئیں یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس صورت میں قرآن کریم خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا مثبت ہے ۔ تو پھر بعض جگہ انکار معجزات سے کیا مطلب ہے اس جگہ بطور اعتراض دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں ۔ اول سورہ عنکبوت کی آیت وقالوا لولا انزل علیہ آیات من ربہٖ قل انما الایات عند اللہ وانما انا نذیر مبین ۰ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتٰب یتلیٰ علیھم ان فی ذالک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یومنون ..... ویستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب ولیاتینھم بغتۃ وھم لا یشعرون (العنکبوت ۔ ۵۰ - ۵۳) جو لوگ اس سے انکار معجزات نکالنا چاہتے ہیں وہ پہلے حصہ کو تو پیش کرتے ہیں ۔ اور باقی آیات کو نہیں پڑھتے ۔ ہم کہتے ہیں کہ صرف پہلے حصہ سے بھی انکار معجزات ہرگز نہیں نکلتا جس صورت میں قرآن مشریف بار بار جیساکہ اوپر دکھایا جاچکا ہے کفار کو

ملزم کرتا ہے کہ وہ نشان دیکھ کر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اور ان کو نشانوں کے انکار کے سبب سے کافر اور ظالم اور فاسق قرار دیتا ہے۔ اور ایسی آیتوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ تو کفار کے اس قول کے معنے کہ نشان کیوں نہیں اُتارے جاتے سوائے اس کے کیا ہو سکتے ہیں کہ جو نشان وہ دیکھ چکے تھے ان پر ہنسی کرتے تھے یا اُن کو سحر کہتے تھے۔ اور اسلئے نئے سے نئے نشان طلب کرتے تھے۔ اس آیت کے معنے ہمارے اس زمانے میں اور بھی وضاحت سے کھلتے ہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہزارہا نشان دیکھنے کے باوجود پھر بھی مکذبین یہی کہے جاتے ہیں۔ کہ کوئی نشان نہیں دکھایا گیا۔ ایسا ہی ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔ لیکن آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس جگہ کفار عام طور پر نشانات کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ایک خاص قسم کے نشان کے طالب تھے۔ اور اُسی کا جواب ان آیات میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت کو جس میں یہ آیات واقع ہوئی ہیں۔ ابتدا سے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ کفار عرب کو اللہ تعالےٰ پہلی قوموں کی حالت سے عبرت پکڑنے کیلئے نصیحت فرماتا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے بیان فرماتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا انکار کیا گیا تو پھر ہم نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا حضرت نوحؑ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوموں اور ایسا ہی عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان پر عذاب کے نازل ہونیکا ذکر فرماتا ہے۔ چنانچہ ان سب کے واقعات کو بیان کر کے فرماتا ہے۔ فکلا اخذنا بذنبہٖ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من اخذنا بہ الارض ج ومنھم من اغرقنا ج وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون ..... وتلک الامثال نضربھا للناس ج (العنکبوت ۴۰ و ۴۳) ہم نے ان سب کو جن کا ذکر اوپر ہوا ان کے گناہ کے سبب سے پکڑ لیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو وہ تھے جن پر ہم نے پتھر برسائے۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جن کو بڑے زور کی آواز نے آدبایا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھسا دیا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جنکو ہمنے غرق کر دیا۔ اور خدا نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے خود خدا کے نشانوں کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ...... اور یہ مثالیں ہم اسلئے بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ سمجھ جاویں۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کفار کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ جس طرح پر پہلی قوموں پر نشانات الٰہی کی تکذیب کے سبب سے عذاب نازل ہوا اُسی طرح تم پر بھی نازل ہوگا۔ کیونکہ تم ان نشانات کی تکذیب کر رہے ہو۔ جو ہم اس نبی پر اُتار رہے ہیں۔ اسکے جواب میں کفار کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔ لولا انزل علیہ آیات من ربہ۔ کہ اگر یہ بات حق ہے تو پھر وہ عذاب کی نشانیاں ہم پر کیوں نہیں اُترتیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اسی کی تصریح ہے۔ واذ قالوا اللھم ان کان ھذا

ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم (الانفال - ۳۲)
جب ان کافروں نے دعائیں مانگیں - کہ یا اللہ اگر یہ دین حق ہے اور جو معجزات اسکی تائید میں دکھائے جاتے ہیں وہ تیری ہی طرف سے ہیں تو پس چونکہ ہم انکی تکذیب کر رہے ہیں - اسلئے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر - یہ سوالات کفار کے دل میں اس وقت پیدا ہوئے جب بار بار ان کو نشانات دکھائے گئے - اور قرآن شریف نے اُنہیں ملزم کیا کہ تم خدا کے نشانوں کو جھٹلا رہے ہو - اور باوجود نشان دیکھنے کے ایمان نہیں لاتے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے +

الغرض یہ صاف ظاہر ہے - کہ سورہ عنکبوت کی اس آیت متنازعہ میں کفار کا سوال یہ تھا کہ جب ہم نشانوں کو جھٹلا رہے ہیں - تو پھر خدا کیطرف سے وہ عذاب کا نشان کیوں نازل نہیں ہوتا جس سے بار بار ڈرایا جاتا ہے - اب ہم ان آیات کا ترجمہ کر کے دکھاتے ہیں - کہ مابعد کی آیتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کا سوال صرف عذاب والے نشانوں کے متعلق تھا - کیونکہ قرآن کریم میں جب کبھی کسی قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا جاتا تھا تو ساتھ ہی کفار کو یہ کہا جاتا تھا کہ اس میں تمہارے لئے بھی ایک نشان ہے ترجمہ آیات کا جو اوپر نقل کیگئی ہیں یہ ہے - وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر نشانیاں - ان کو کہدے کہ وہ نشانیاں جو تم مانگتے ہو یعنی عذاب کی نشانیاں وہ خدا تعالےٰ کے پاس موجود ہیں - اور اسی عذاب سے میں تمہیں ڈرانیوالا ہوں - کیا ان لوگوں کے لئے جو عذاب کی نشانی مانگتے ہیں یہ رحمت کی نشانی کافی نہیں ہے - کہ ہم نے تجھ پر باوجود تیرے اُمّی ہونیکے وہ کتاب جو جامع کمالات ہے نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے - یعنی قرآن شریف جو ایک رحمت کا نشان ہے - اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں نصیحت ہے ------ مگر یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے - اور رحمت کے نشانوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی - ان کو کہدے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس عذاب کا اللہ تعالےٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہوتا تو یہ عذاب کی نشانیاں جو تم مانگتے ہو کب کی نازل ہو گئی ہوتیں اور یہ عذاب تو یقیناً یقیناً ان پر وارد ہو کر رہیگا - اسوقت کہ انکو خبر بھی نہیں ہوگی - آخری آیت نے پہلی آیات کے معنوں کو بالکل صاف کر دیا ہے - اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ عذاب کے نشان کا ہی مطالبہ تھا جو تکذیب معجزات پر نازل ہونیوالا تھا نہ معمولی نشان کا کیونکہ اخیر میں کھول کر بیان کر دیا ہے - کہ وہ عذاب کے نشان کے لئے جلدی کرتے ہیں - لیکن اس کا ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے - اور وہ ضرور نازل ہو کر رہیگا - اس وقت کی طرف سورہ انفال کی اس آیت میں بھی اشارہ ہے جو مطالبہ عذاب کے بعد ہے - جہاں اُن کو کہا گیا ہے - کہ خدا اس لئے اُن پر عذاب نہیں بھیجتا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ان کے درمیان ہیں۔ اور ایسا ہی ایک اَور جگہ فرمایا ہے کہ یہ عذاب آنحضرتؐ کے مکّہ سے ہجرت کے ایک سال بعد ان پر نازل ہوگا۔ پس یہی وہ نشان تھا جس کا کفار مطالبہ کرتے تھے۔ اور جس کے لئے اُن کو کہا گیا تھا کہ اُسکا وقت ابھی نہیں آیا۔ ہاں اللہ کے نزدیک وہ نشان موجود ضرور ہے اور ضرور تم پروارد ہو کر رہیگا +

اس جگہ اللہ تعالےٰ نے کفار کو یہ بھی سمجھایا ہے۔ کہ جس صورت میں رحمت کے نشان اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ان کو دکھائے گئے اور دکھائے جا رہے ہیں تو کیوں وہ عذاب کے نشان کے طالب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مدعا تو رحمت کے نشانوں سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ کفار کی غرض عذاب کا نشان مانگنے سے یہ تھی۔ کہ تا وہ ان پر وارد ہو کر حق الیقین تک پہنچا وے اور صرف دیکھنے کی چیز نہ ہے۔ کیونکہ مجرد رویت کے نشانوں میں اُن کو یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے انہیں دھوکا ہی لگا ہو۔ اور یا یہ جادو یا چشم بندی کی قسم ہو جیسا کہ بار بار اُن کا پہلے نشانوں کو سحر کہنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ اسی وہم اور اضطراب کے دور کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجودوں پر وارد ہوجاوے تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے۔ کیا اسی مدعا کے حاصل کرنے کیلئے رحمت کا نشان کافی نہیں یعنی قرآن شریف جو تمہاری آنکھوں کو اپنی پرنور اور تیز شعاعوں سے خیرہ کر رہا ہے۔ اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنے فوق العادت خواص اس قدر دکھلا رہا ہے جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو اور وہ تم پر اور تمہاری قوم پر ایک خارق عادت اثر ڈال رہا ہے۔ اور دلوں پر وارد ہو کر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ مدتہائے دراز کے مردے اس سے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور مادر زاد اندھے جو بیشمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے آنکھیں کھول رہے ہیں۔ اور کفر اور الحاد کی طرح طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دور ہوتی ہے۔ اور وصل الٰہی میسر آتا ہے +

اب انصاف سے دیکھو کہ اس آیت میں کہاں معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔ یہ آیتیں تو بآواز بلند پکار رہی ہیں۔ کہ کفار نے ہلاکت اور عذاب کا نشان مانگا تھا۔ سو اول انہیں کہا گیا کہ دیکھو تم میں زندگی بخش نشان موجود ہے۔ یعنی قرآن جو تم پر وارد ہو کر تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہمیشہ کی حیات بخشتا ہے۔ مگر جب عذاب کا نشان تم پر وارد ہوتو وہ تمہیں ہلاک کریگا۔ پس کیوں تم ناحق اپنا مرنا ہی چاہتے ہو۔ اور اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو تو یاد رکھو کہ وہ بھی جلد آئیگا۔ پس اللہ جلشانہ نے

ان آیات میں عذاب کے نشان کا وعدہ دیا اور قرآن شریف میں جو رحمت کے نشان ہیں اور دلوں وارد ہو کر اپنا خارق عادت اثر ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی طرف توجہ دلائی۔ معترض کا یہ کہنا کہ اس آیت سے کل معجزات کی نفی لازم آتی ہے۔ محض ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ مکہ کے متعصب بُت پرست کبھی تمام معجزات کا انکار نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ نہ صرف آخر کار اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آنجناب کے معجزات کو معجزہ کر کے مان لیا بلکہ کفر کے زمانہ میں بھی وہ قطعاً انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اور روم اور ایران میں جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعجبانہ خیال سے ساحر مشہور کرتے تھے۔ اور گو ہیجا پیرایوں میں ہی سہی مگر نشانوں کا اقرار کر لیا کرتے تھے اور انکے یا قرار قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر اُن کو ایسا ہی معجزات محمدیہ سے قطعی انکار ہوتا تو وہ بالآخر نہایت درجہ کے یقین سے جو اُنہوں نے اپنے خونوں کے بہانے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے سے ثابت کر دیا تھا مشرف باسلام کیوں ہو جاتے۔ اور کفر کے ایام میں جو ان کے بار بار کلمات قرآن شریف میں درج ہیں وہ یہی ہیں کہ وہ اپنی کم فہمی کے دھوکے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ساحر رکھتے تھے۔ جیسا کہ قال الکافرون ھذا ساحر کذاب۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ وہ نشانوں کو دیکھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد انہیں نشانوں کو معجزہ کر کے مان بھی لیا۔ اور جزیرہ کا جزیرہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس معجزات کا ہمیشہ کیلئے سچے دل سے گواہ بن گیا۔ تو پھر ایسے لوگوں سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ قطعاً نشانوں سے منکر ہو جاتے۔ بلکہ قرآن سے آفتاب کی طرح ظاہر ہے۔ کہ جس جس جگہ پر قرآن شریف میں کفار کی طرف سے یہ اعتراض لکھا گیا ہے۔ کہ کیوں اس پیغمبر پر کوئی نشانی نہیں اُترتی ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے۔ کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نشان ہم مانگتے ہیں انہیں سے کوئی نشان کیوں نہیں اُترتا +

دوسری آیت جس سے انکار معجزات نکالا جاتا ہے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے۔ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون۔ اس آیت کے معنے سمجھنے کے لئے اس کے سیاق وسباق کو دیکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب اعتراض کیا جاتا ہے تو آگے پیچھے کو کاٹ کر صرف ایک ٹکڑے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ان آیات کا باہمی تعلق یوں ہے۔ وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا کان ذالک فی الکتاب مسطورا ہ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون واتینا

ثمود الناقة مبصرة فظلموا بها وما نرسل بالآیات الا تخویفا .... ونخوفهم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا (بنی اسرائیل ۵۸-۶۰) یہ ہمارا ایک قہری نشان ہے۔ کہ قیامت سے پہلے ہر ایک بستی پر یا ہلاکت اور یا عذاب شدید ہم نازل کرینگے یہی کتاب میں لکھا جا چکا ہے مگر اس وقت ہم بعض ان گذشتہ قہری نشانوں کو اسلئے نہیں بھیجتے۔ کہ پہلی امت کے لوگ اُن کی تکذیب کر چکے ہیں چنانچہ ہم نے ثمود کو بطور نشان کے جو مقدمہ عذاب کا تھا ناقہ دیا جو حق نما نشان تھا جس پر انہوں نے ظلم کیا۔ اور قہری نشانوں کے نازل کرنے سے ہماری غرض یہی ہوتی ہے۔ کہ لوگ اُن سے ڈریں پس ایسے قہری نشانوں کے طلب کرنے سے کیا فائدہ جنہیں پہلی امتوں نے دیکھ کر جھٹلا دیا اور اُن کے دیکھنے سے کچھ بھی خائف و ہراسان نہ ہوئے +

اس جگہ واضح ہو کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول نشان تخویف و تعذیب جن کو قہری نشان بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوم نشان تبشیر و تسکین جن کو نشان رحمت سے بھی موسوم کر سکتے ہیں تخویف کے نشان سخت کافروں اور کج دلوں نافرمانوں کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ تا وہ ڈریں اور خدا تعالےٰ کی قہری اور جلالی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو۔ اور تبشیر کے نشان اُن حق کے طالبوں اور مخلص مومنوں اور سچائی کے متلاشیوں کے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو دل کی غربت اور فروتنی سے کامل یقین اور زیادت ایمان کے طلبگار ہیں۔ اور تبشیر کے نشانوں سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے ان مطیع بندوں کو مطمئن کرنا اور ایمانی اور یقینی حالات میں ترقی دینا اور اُنکے مضطرب سینہ پر دستِ شفقت و تسلی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ سو مومن قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ تبشیر کے نشان پاتا ہے۔ اور ایمان اور یقین میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ تبشیر کے نشانوں سے مومن کو تسلی ملتی ہے۔ اور وہ اضطراب جو فطرتاً انسان میں ہے جاتا رہتا ہے۔ اور سکینت دل پر نازل ہوتی ہے۔ مومن بہ برکت اتباع کتاب اللہ اپنی عمر کے آخری دن تک تبشیر کے نشانوں کو پاتا رہتا ہے۔ اور تسکین اور آرام بخشنے والے نشان اُس پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ تا وہ یقین اور معرفت میں بے نہایت ترقیاں کرتا جاوے اور حق الیقین تک پہنچتا جاوے اور تبشیر کے نشانوں میں ایک لطف یہ ہوتا ہے۔ کہ جیسے مومن ان کے نزول سے یقین اور معرفت اور قوت ایمانی میں ترقی کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ بوجہ مشاہدہ نعماء الٰہی و احسانات ظاہرہ و باطنہ و جلیہ و خفیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ جو تبشیر کے نشانوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں محبت و عشق میں بھی دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ سو حقیقت میں عظیم الشان اور قوی الاثر اور مبارک اور موصل الی المقصود تبشیر کے نشان ہی ہوتے ہیں۔ جو سالک کو معرفت کاملہ اور محبت ذاتیہ کے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں

جو اولیاء اللہ کے لئے منتہی المقامات ہے۔ اور قرآن شریف میں تبشیر کے نشانوں کا بہت کچھ ذکر ہے یہانتک
کہ اس نے ان نشانوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ ایک دائمی وعدہ دیدیا ہے۔ کہ قرآن شریف کے سچے متبع
ہمیشہ ان نشانوں کو پاتے رہینگے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ
لا تبدیل لکلمت اللہ ذالک ھو الفوز العظیم (یونس ۶۴) یعنی ایماندار لوگ دنیوی زندگی اور آخرت
میں بھی تبشیر کے نشان پاتے رہینگے جن کے ذریعہ سے وہ دنیا اور آخرت میں معرفت اور محبت کے میدانوں میں
ناپیداکنار ترقیاں کرتے جائینگے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو کبھی نہیں ٹلینگی۔ اور تبشیر کے نشانوں کو پالینا یہی
فوز عظیم ہے یعنی یہی ایک امر ہے جو محبت اور معرفت کے منتہے مقام تک پہنچا دیتا ہے +

اب جاننا چاہیئے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں صرف تخویف کے نشانوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ آیت
وما نرسل بالایات الا تخویفا سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالےٰ کے کل نشانوں کو قہری نشانوں میں
ہی محصور سمجھ کر اس آیت کے یہ معنے کئے جاویں۔ کہ ہم تمام نشانوں کو محض تخویف کی غرض سے ہی بھیجا کرتے
ہیں۔ اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔ تو یہ معنے بداہت باطل ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے
کہ نشان دو غرضوں سے بھیجے جاتے ہیں۔ یا تخویف کی غرض سے یا تبشیر کی غرض سے۔ انہیں دو قسموں کو
قرآن شریف جا بجا ظاہر کر رہا ہے پس جب نشان دو قسم کے ہوئے تو آیت ممدوحہ بالا میں جو لفظ الایات ہے
جس کے معنے وہ نشانات ہیں بہرحال اسی تاویل پر بصحت منطبق ہوگا کہ نشانوں سے قہری نشان مراد
ہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنے نہ لئے جاویں۔ تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ تمام نشانات جو تحت قدرت الٰہی
داخل ہیں تخویف کے قسم میں ہی محصور ہیں۔ حالانکہ فقط تخویف کی قسم میں ہی سارے نشانوں کا حصر سمجھنا
سراسر خلاف واقعہ ہے۔ کہ جو نہ کتاب اللہ کی رو سے نہ عقل کی رو سے۔ اور نہ کسی پاک دل کے کانشنس کی رو سے
درست ہو سکتا ہے۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ نشانوں کے دو قسموں میں سے صرف تخویف کے نشانوں کا آیت
موصوفہ بالا میں ذکر ہے۔ تو دوسرا امر تنقیح طلب یہ باقی رہا کہ کیا اس آیت کے (جو ما منعنا الخ ہے) یہ معنے
سمجھنے چاہئیں۔ کہ تخویف کا کوئی نشان خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر
ظاہر نہیں کیا۔ یا یہ کہ تخویف کے نشانوں میں سے وہ نشان ظاہر نہیں کئے گئے جو پہلی اُمتوں کو دکھائے
گئے تھے۔ اور یا یہ تیسرے معنے قابل اعتبار ہیں۔ کہ دونوں قسم کے تخویف کے نشان آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے ہیں بجز اُن خاص قسم کے بعض نشانوں کے جن کو پہلی اُمتوں نے
دیکھ کر جھٹلایا تھا۔ اور ان کو معجزہ نہیں سمجھا تھا۔ سو واضح ہو کہ آیات متنازعہ فیہا پر نظر ڈالنے
سے تمامتر صفائی کُھل جاتا ہے۔ کہ پہلے اور دوسرے معنے کسیطرح درست نہیں کیونکہ آیت ممدوحہ بالا

یہ مراد سمجھ لینا کہ تمام انواع واقسام کے وہ تخویفی نشان جو ہم بھیج سکتے ہیں ۔ اور تمام وہ وراء الوراء تعذیبی نشان جن کے بھیجنے پر ہم قادر ہیں ۔ اور وہ غیر محدود ہیں ۔ اسلئے ہم نے نہیں بھیجے کہ پہلی اُمتیں اُن سب کی تکذیب کر چکی ہیں یہ معنی سراسر باطل ہیں ۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلی اُمتوں نے تو صرف اُنہیں نشانوں کی تکذیب کی جو اُنہوں نے دیکھے تھے ۔ وجہ یہ کہ تکذیب کے لئے یہ ضرور ہے ۔ کہ جس چیز کی تکذیب کی جائے اول اُس کا مشاہدہ بھی ہو جائے جس نشان کو ابھی دیکھا ہی نہیں اُس کی تکذیب کیسی حالانکہ نادیدہ نشانوں میں سے ایسے اعلےٰ درجہ کے نشان بھی تحت قدرت باری تعالےٰ ہیں جن کی کوئی انسان تکذیب نہ کر سکے ۔ اور سب گردنیں اُنکی طرف جھک جائیں کیونکہ خدا تعالےٰ ہر ایک رنگ کا نشان دکھانے پر قادر ہے ۔ اور پھر چونکہ نشانہا ئے قدرت باری غیر محدود اور غیر متناہی ہیں ۔ تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے ۔ کہ محدود زمانہ میں وہ سب دیکھے بھی گئے اور انکی تکذیب بھی ہو گئی ۔ وقت محدود میں تو وہی چیز دیکھی جائیگی جو محدود ہو گی ۔ بہر حال اس آیت کے یہی معنے صحیح ہونگے کہ جو بعض نشانات پہلے کفار دیکھ چکے تھے ۔ اور اُن کی تکذیب کر چکے تھے اُنکا دوبارہ بھیجنا عبث سمجھا گیا جیسا کہ قرینہ بھی انہی معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی اس جگہ پر جو ناقہ ثمود کا خدا تعالےٰ نے ذکر کیا ۔ وہ ذکر ایک بھاری قرینہ اس بات پر ہے ۔ کہ اس جگہ گذشتہ اور رد کردہ نشانات کا ذکر ہے ۔ جو تخویف کے نشانوں میں سے تھے ۔ اور یہی معنے صحیح اور درست ہیں ۔

غرض جس پہلو سے چاہو غور کرو یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ نفی کا حرف صرف نشانوں کی ایک خاص قسم کی نفی کے لئے آیا ہے جس کا دوسرے مقام پر کچھ اثر نہیں بلکہ اس سے ان کا متحقق الوجود ہونا ثابت ہو رہا ہے ۔ اور ان آیات میں نہایت صفائی سے اللہ جلشانہٗ بتا رہا ہے ۔ کہ اسوقت تخویفی نشان جن کی یہ لوگ درخواست کرتے ہیں صرف اس وجہ سے نہیں بھیجے گئے ۔ کہ پہلی اُمتیں انکی تکذیب کر چکی ہیں سو جو نشان پہلے رد کئے گئے اب بار بار اُنہیں کو نازل کرنا کمزوری کی نشانی ہے ۔ اور غیر محدود قدرتوں والے کی شان سے بعید ہے ۔ ان آیات میں یہ صاف اشارہ ہے ۔ کہ عذاب کے نشان ضرور نازل ہونگے مگر اور رنگوں میں ۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ وہی نشان حضرت موسےٰ یا حضرت نوح کے یا قوم لوط اور عاد اور ثمود کے ظاہر کئے جاویں ۔ بلکہ الآیات میں عموم لینے سے اور بھی ایک دقت پڑتی ہے ۔ اور وہ یہ کہ اس قاعدہ کے رو سے جب ایک دفعہ کسی ایک نشان کی تکذیب ہو جائے تو پھر کوئی نشان بھی نہ دکھایا جاتا ۔ خدا تعالےٰ ایک سے زیادہ نشان دُنیا میں ظاہر نہ کرتا کیونکہ وہ جو سُنّت قائم کرتا ہے اُس کے مطابق چلتا ہے ۔ پس جب پہلا نشان دنیا میں ایسا ظاہر ہُوا

جسکی تکذیب کی گئی تو اس کے بعد اس قاعدہ کے مطابق اللہ تعالےٰ اور کوئی نشان دنیا میں نازل نہ کرتا جو بالبداہت غلط ہے۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ کسی قوم پر کوئی عذاب اتارا گیا کسی پر کوئی اُتار اگیا۔ اور ایک ہی عذاب سب پر نہیں اُتارا گیا۔ پس ایسا ہی آنحضرتؐ کے مخالفین کیلئے ایک الگ قسم کے عذاب کا وعدہ تھا۔ غرضیکہ اس آیت میں عذاب کا تو وعدہ ہے۔ لیکن اُس قسم کا عذاب بھیجنے سے انکار کیا گیا ہے جسکی پہلے تکذیب ہو چکی ہو۔ اسکی تفصیل دوسری آیات میں موجود ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ ویستعجلونك بالعذاب ولن یخلف اللہ وعدہ (الحج - ۴۷) قل هو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض (الانعام - ۶۵) وقل الحمد للہ سیریکم آیاتہ فتعرفونھا (النمل - ۹۳) قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون (السبا ۲۹) ویستنبئونك احق ھو قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین (یونس ۵۳) سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (حم السجدہ - ۵۳) ساریکم آیاتی فلا تستعجلون (الانبیاء - ۳۷) ترجمہ۔ اور کفار تجھ سے عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اور اللہ اپنے وعدہ کو جو عذاب کے متعلق کیا ہے ہرگز خلاف نہیں کریگا۔ تو ان کو کہدے کہ خدا ہی اس بات پر قادر ہے۔ کہ آسمان یا زمین سے کوئی عذاب تم پر نازل کرے۔ اور چاہے تو تمہیں دو فریق بنا کر ایک فریق کی لڑائی کا دوسرے کو مزہ چکھاوے۔ اور کہہ کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہی ہیں۔ وہ تمہیں ایسے نشان دکھائیگا جنہیں تم شناخت کرلوگے۔ اور کہدے کہ اس عذاب کے واسطے تمہارے لئے ٹھیک ایک برس کی میعاد ہے۔ اس سے نہ ایک گھڑی آگے ہوگا اور نہ پیچھے۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا یہ سچ بات ہے کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے۔ کہ یہ سچ ہے اور تم خدائے تعالےٰ کو اسکے وعدوں سے روک نہیں سکتے ہم عنقریب انکو اپنے نشان دکھائینگے۔ ان کے مُلک کے اردگرد میں اور خود ان میں بھی یہانتک کہ ان پر کھل جائیگا کہ یہ نبی سچا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنے نشان دکھاؤنگا۔ سو تم مجھ سے جلدی نہ کرو +

غرض ان آیات سے اور اسی قسم کی اور بہت ساری آیات سے جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عذاب ضرور آنیوالا تھا۔ اور یہی وہ نشان خاص تھا جسے کفار بار بار طلب کرتے تھے۔ اور ان کو کہا جاتا تھا کہ جلدی مت کرو۔ اور ہم نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت متنازعہ (وما منعنا الخ) کے مابعد کی آیتوں سے یہ دکھایا ہے کہ اس جگہ صرف تخویفی اور قہری نشان مراد ہیں کیونکہ خود ان الآیات کو خدا تعالےٰ نے یوں محدود کردیا ہے۔ وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔

یعنی اس قسم کی آیات صرف تخویف کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ اور باقی رہے تبشیر کے نشان سو اُن کے متعلق
تو قرآن کریم نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے بھی آگے گذر کر ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے اُنکے
وعدے دیتا ہے جیسا کہ آیت لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا سے ظاہر ہے۔ پس ایسے نشانات کی
نفی نکالنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اب جبکہ ہم آیت متنازعہ کے ماقبل کی آیت پر غور کرتے ہیں تو اُس سے
بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آیت متنازعہ میں کل قسم کے نشان مراد نہیں بلکہ بعض خاص قسم کے قہری نشان
مراد ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی خدا تعالےٰ کے ایک قہری نشان کا بیان ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہونیوالا
ہے یعنی قرب قیامت میں یا بالفاظ دیگر مسیح موعود کے زمانے میں۔ اور وہ یہ کہ ہر ایک بستی یا ہلاک کی جائیگی اور یا سخت
عذاب میں گرفتار کی جائیگی۔ سو اس کو ہم بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کیونکہ اس ملک میں جہاں اس زمانے میں خدا کا
مامور نازل ہوا ہے۔ اور جہاں اسکے نشانات کی تکذیب ہوگئی آخر خدا نے اپنا قہری نشان طاعون کی شکل میں نمودار
کیا جیسا کہ صاف الفاظ میں پہلی کتابوں میں وعدہ تھا جس کی رُو سے کوئی بستی محفوظ نہیں رہی۔ اور ابھی خدا کو علم ہے
کہ آگے کیا ہوگا۔ ہماری غرض اس جگہ صرف یہ ہے کہ آیت ماقبل میں بھی ایک قہری نشان کا ذکر ہے جو اخیر زمانہ میں قیامت سے
پہلے واقع ہونیوالا تھا۔ اور آیت مابعد بھی قہری نشانوں کا ہی ذکر کرتی ہے۔ پس آیت ما منعنا الخ میں
خاص قہری نشان مراد ہیں جنکی پہلوں نے تکذیب کی۔ اور اس سے نشانات کی نفی ہرگز نہیں نکلتی بلکہ صاف وعدہ اور
قسم کے قہری نشانوں کا قرآن میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور اسیطرح رحمت کے نشانوں اور تبشیر کے نشانوں کا بھی +

قرآن کریم نے ایک اور طرز سے بھی کفار کو ملزم کیا ہے یعنی اپنے پہلے نشانوں کا حوالہ دے کر ان کو جھوٹا
کیا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا
ان الرسول حق وجاءھم البینٰت (آل عمران - ۸۵) اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار نے
پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات دیکھے یہانتک کہ اُن کے دل مان گئے کہ واقعی آنحضرت
رسول برحق ہیں۔ لیکن پھر اُنھوں نے انکار کر دیا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے ان کے دل پھیر دیئے۔ کیونکہ
خود اُنھوں نے اُس نور کو قبول نہ کیا جس کی روشنی وہ دیکھ چکے تھے۔ اور ظلمت میں ہی رہنا پسند کیا
غرض اس آیت سے یہ ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کفار کو یوں ملزم کرتا ہے۔ کہ جب تمہیں پہلے نشان
دکھائے گئے۔ اور تم اُن کو مان بھی گئے۔ اور پھر بعد میں منکر ہو گئے تو اب کسی معجزہ کو دیکھ کر تم کیا فائدہ
اُٹھا سکتے ہو۔ اسی طرح ایک اور موقع پر قرآن شریف یوں بیان فرماتا ہے۔ واقسموا باللہ جھد
ایمانھم لئن جاءتھم آیۃ لیؤمنن بھا قل انما الایات عند اللہ وما یشعرکم انھا
اذا جاءت لا یؤمنون (الانعام - ۱۱۰) اور کفار نے اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں

سے کہتے ہیں۔ کہ اگر ان کے کہنے کے مطابق کوئی معجزہ ان کے سامنے آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آوینگے۔ کہہ نشان تو اللہ کے پاس بہت ہیں۔ اور وہ ضرور بھیجیگا لیکن تم کیا جانتے ہو کہ جب وہ نشان آجائیگا (جیسا کہ خدا وعدہ کر چکا ہے) تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائینگے۔ اور پھر اس سے آگے فرماتا ہے۔ و نقلب افئدتھم وابصارھم کما لم یؤمنوا بہ اول مرۃ۔ اور ہم ان کے دلوں اور اُن کی آنکھوں کو اُلٹ دینگے۔ اور یہ اس معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ کیونکہ پہلی دفعہ جب ہمارے رسول نے ان کو معجزات دکھائے تو وہ اُن پر ایمان نہیں لائے۔ اس آیت میں بھی صاف طور پر کفار کو ملزم کیا گیا ہے۔ کہ اُن کا معجزات طلب کرنا بھی ہنسی اور تمسخر کی راہ سے ہے۔ جو وہ معجزہ عذاب کا طلب کرتے ہیں وہ تو ضرور اُن کو دکھایا جاویگا مگر یہ اس وقت بھی ایمان نہیں لاوینگے جیسا کہ پہلے معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ آیات بار بار کفار کو سنائی جاتی تھیں اور ہر ایک مسلمان ان کو پڑھتا تھا تو بفرض محال اگر کوئی معجزہ دکھایا نہیں گیا تو مسلمانوں کا ایمان کیونکر قائم رہ سکتا تھا۔ وہ نہ کہتے ہونگے کہ یہ کتاب جو خدا کی طرف سے ہونیکا دعوے کرتی ہے۔ یہ کہہ رہی ہے کہ معجزات دکھائے گئے ہیں۔ حالانکہ کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ یہ کیونکر سچی ہو سکتی ہے جو مشاہدہ کے خلاف ایک امر کو بیان کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف کفار کا منہ کس نے بند کر دیا تھا کہ انہوں نے یہ اعتراض کبھی نہ کیا کہ یہ کیسا جھوٹ ہے۔ کہ ہم کو معجزات دکھائے گئے ہمنے تو سرے سے کوئی معجزہ دیکھا ہی نہیں۔ اگر معجزہ دیکھیں تو پھر یہ غور بھی کریں کہ آیا یہ خدا کی طرف سے ہے۔ یا ساحر کا کام ہے۔ انہوں نے یہ کیوں کہا کہ یہ پیغمبر ساحر ہے۔ اور جو نشان دکھاتا ہے وہ سحر کی قسم ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ قرآن کریم باواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ اور دن رات مسلمانوں اور کفار کی مجلسوں میں سنایا جاتا ہے کہ معجزات دکھائے گئے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں مانے اور ان کو سحر قرار دیا۔ حالانکہ در اصل نہ کوئی معجزہ دکھایا گیا۔ نہ کفار نے نبی کو ساحر یا معجزہ کو سحر کہا۔ اور قرآن کریم کی آیات سے کوئی مخالف یا موافق بیخبر تو تھا نہیں کیونکہ ہر ایک نئی آیت کی مسلمانوں اور کفار کے درمیان زور سے منادی کی جاتی تھی اور پھر انہی کفار کا آخر کار اسی قرآن شریف پر ایمان لے آنا کیا اور بھی عجیب بات نہیں۔ اگر کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا تھا تو کفار کے لئے تو قرآن کریم کے جھوٹا ہونیکی یہی کافی دلیل تھی کہ وہ ایک صریح امر خلاف واقع بیان کر رہا ہے۔ یہ تو الگ بات تھی کہ جن امور کو پہلے انہوں نے سحر سمجھا اور کہا آخرکار وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر انہیں کے اللہ تعالے کی طرف سے معجزات ہونے کے اقراری ہو گئے۔ مگر یہ کون عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ پہلے نہ تو انہوں نے کوئی نشان دیکھا نہ جھٹلایا نہ کسی کو سحر کہا۔ مگر آخرکار

اُنھوں نے ان سب باتوں کو تسلیم کرلیا۔ کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانے سے یہ سب باتیں اُن کو ماننی پڑیں کہ پہلے ہم نے معجزات بھی دیکھے تھے۔ ان کو سحر بھی کہا تھا اور جھٹلایا بھی تھا۔ غرضیکہ کسی پہلو سے سوچا جاوے قرآن کریم بآواز بلند پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو معجزات دکھائے۔ اور قرآن کی طرف معجزات کا انکار منسوب کرنا سراسر غلطی ہے +

ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمت کے نشان اور خوشخبری کے نشان دوسرے عذاب کے نشان اور تخویف کے نشان۔ قرآن کریم کو پڑھنے سے یہ تقسیم صاف معلوم ہوتی ہے چنانچہ نبی کا نام بشیر اور نذیر رکھنا بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ یعنی وہ خوشخبری بھی دیتا ہے۔ اور ڈراتا بھی ہے۔ اب واضح ہو کہ نبی کا خوشخبری دینا اور ڈرانا محض آخرت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار ابھی دنیا سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ تا آخرت کے وعدوں کی نسبت حق الیقین حاصل ہوجائے دنیا میں ایک گروہ کو جو نشانات آلہی کا مصدق ہوجاتا ہے کامیابی اور خوشحالی کے وعدے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو جو ان نشانات کی تکذیب کرتا ہے ہلاکت اور ناکامی اور نامرادی سے ڈرایا جاتا ہے پس جب یہ ہر دو گروہ ان ہر دو وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے ایمان آخرت کے وعدوں اور وعیدوں پر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ پوری بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ ایسا بشیر اور نذیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اُسی خدا کا بلایا بول رہا ہے۔ جو کامل علم اور کامل طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے ناکامی پر ناکامی دیکھ کر آخر خدا کے بڑے وعدے کو فتح مکہ پر پورا ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُنھوں نے یقین کرلیا کہ جن معجزات کو وہ جھٹلاتے تھے یا جن پر وہ ہنسی کرتے اور ان کو سحر کہتے تھے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معجزات کے ساتھ ایک باریک رنگ اخفا کا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض وقت ان میں دھوکے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایک چالاک آدمی محض اپنی چالاکی سے معجزہ کے رنگ کا کوئی کرتب کر دکھاوے۔ اسلیئے کامل تسلی اور کامل یقین اُسی نشان سے حاصل ہوتا ہے جو خود انسان کے اوپر وارد ہو۔ سو مومن پر یہ نشان رحمت آلہی کے رنگ میں وارد ہوتا ہے۔ اور کافر پر عذاب کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان معجزات کی تفصیلوں کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھا ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے۔ اور اس ایک نشان کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں اور فتوحات کے متعلق تھا۔ اور کافروں کی ناکامی اور ذلت کے متعلق بوضاحت تمام

بار بار بیان فرمایا ہے۔ اور اسی ایک نشان کے ظاہر ہونے پر سارے کے سارے عرب نے اسلام کی صداقت کے آگے گردن جھکا دی۔ اور وہ قوم جس نے کبھی کسی حکومت کا جُوا نہ اُٹھایا تھا شرح صدر سے اُس نے اسلام کی حکومت کو اپنے سر پر قبول کیا بلکہ اسی کو اپنا عین فخر سمجھا۔ لاکھ لاکھ سلام اور صلوٰت ہوں اُس ذات اطہر پر جس کے وجود مبارک سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور میں آئی ❖

یہ بھی جاننا چاہئے کہ کفار مکہ تین قسم کے نشانات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب کیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرآن شریف کے متفرق مقامات کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اول وہ نشان جو عذاب کی صورت میں فقط اپنے اقتراح سے کفار مکہ نے طلب کئے تھے۔ دوسرے وہ نشان جو عذاب کی صورت میں یا مقدمہ عذاب کی صورت میں پہلی امتوں پر وارد کئے گئے تھے۔ تیسرے وہ نشان جن سے پردہ غیبی بالکل اُٹھ جائے جس کا اُٹھ جانا ایمان بالغیب کے بکلی برخلاف ہے۔ قسم اول کے متعلق بکثرت آیات قرآن شریف سے پیش کی جا چکی ہیں۔ اور اس بارے میں کفار کو یہی جواب دیا گیا۔ کہ وہ عذاب ضرور نازل ہوگا خواہ آسمان سے ہو خواہ زمین سے۔ اور خواہ آپس میں لڑائی کے ذریعہ سے۔ اور یہ آخری وعدہ بذریعہ غزوات کے پورا ہوا۔ قسم دویم کے متعلق بھی بکثرت آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر دکھایا بھی جا چکا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے فلیاتنا بایۃ کما ارسل الاولون۔ اور جس کا جواب ملتا ہے۔ ما آمنت قبلھم من قریۃ اھلکنھا افھم یومنون (الانبیاء - ۵ و ۶) یعنی کفار نے کہا کہ یہ نشان جو یہ نبی دکھاتا ہے یہ تو جادو ہیں (جیسا کہ ماقبل کی آیت افتاتون السحر وانتم تبصرون سے ظاہر ہے یعنی کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کو مان لوگے) پس اگر یہ سچا ہے تو اس قسم کا نشان لاوے جیسے پہلی امتوں پر بھیجے گئے جس سے مطلب اُن کا اسی طرح کا عذاب کا نشان تھا۔ کیونکہ خدا تعالے اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ کہ ہم نے پہلی امتوں پر ہلاکت کے نشان تو بھیجے مگر کیا جن بستیوں پر یہ ہلاکت کے نشان بھیجے گئے تھے وہ ایمان لے آئے تھے۔ اور جب وہ ایمان نہیں لائے تو اسی قسم کے نشان کو دیکھ کر یہ کیونکر ایمان لائیں گے۔ اس آیت سے بھی وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بھا الاولون کا مطلب حل ہوتا ہے۔ کیونکہ بالفاظ دیگر دونوں آیتوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ وہاں بھی پہلوں کی تکذیب اس امر کے لئے وجہ قرار دیگئی ہے۔ کہ وہی نشان دوبارہ کیوں نہیں بھیجے جاتے اور یہاں بھی غرض ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی قسم کے ہلاکت کے نشان مانگتے تھے۔ جیسے پہلی اُمتوں پر نازل ہوئے۔ اور اللہ تعالے نے اُن کو سمجھایا کہ تم ان

ہلاکت کے نشانوں سے کیا فائدہ اُٹھاؤ گے۔ چنانچہ جو نشان ہلاکت اور نامرادی کا اللہ تعالےٰ نے کفارِ مکہ کے لئے تجویز کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے چند کس کے جن کی شقاوت نے اُنہیں رحمتِ آلٰہی سے حصہ نہ لینے دیا سارے کا سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ یہ تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت کہ باوجودیکہ ہلاکت کا نشان آپ کے مخالفوں پر نازل بھی کیا گیا مگر رحمتِ آلٰہی نے پہلی امتوں کی طرح اُنہیں بالکل ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ اسلام میں داخل کر کے از سرِ نو زندگی بخشی۔ یہ تھی حکمتِ آلٰہی پہلے نشانوں کے دوبارہ نہ بھیجنے میں۔ کیونکہ اگر وہی نشان دوبارہ بھیجے جاتے تو کفار کے سب کے سب ہلاک کئے جاتے۔ لیکن مصلحتِ آلٰہی نے یہ نہ چاہا۔ یہ ہیں معنے آیت وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون کے۔ تیسرا مطالبہ کفار کا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایسے نشانوں کے متعلق تھا۔ جن سے ایمان بالغیب بالکل اُٹھ جاوے سو ایسے نشان کے دکھانے سے بکلی انکار کیا گیا ہے۔ اور خود ظاہر ہے کہ ایسے سوال کا جواب انکار ہی تھا قرآن کریم کی ذیل کی آیات اس مطالبہ کی شاہد ہیں۔ وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا۔ او تکون لک جنۃ من نخیل و عنب فتفجر الانہار خلالہا تفجیرا۔ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملئکۃ قبیلا۔ او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ۔ قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا۔ (بنی اسرائیل ۹۰-۹۴) اور کفار نے کہا کہ ہم اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے۔ جب تک کہ تو زمین سے ہمارے لئے چشمے نہ نکالے۔ یا انگوروں اور کھجوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا تم سمجھتے ہو کہ ہم پر عذاب نازل ہوگا۔ آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہم اپنے سامنے دیکھ لیں۔ یا تمہارا کوئی سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے پر باور نہیں کرینگے جب تک ایک کتاب نہ اُتارو جسے ہم پڑھ لیں۔ اے پیغمبر تو ان سب مطالبوں کا یہ جواب دے کہ میرا خدا پاک ہے میں تو محض ایک بشر رسول ہوں۔ یہ سخت سخت خود تراشیدہ نشان تھے جو وہ مانگتے تھے۔ سو ڈھونڈنے والے کیلئے ایسی درخواستیں ہمارے سید و مولےٰ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات ظاہرہ و آیات بینہ پر صاف اور کھلے کھلے دلائل ہیں۔ غور چاہئے ان دلوں کے اندر کو ہمارے سید و مولےٰ و آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انوار صداقت نے کس درجہ تنگ اور عاجز کر رکھا تھا۔ اور کیا کچھ آسمانی تائیدات اور برکات کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ کہ جن سے

خیرہ ہو کر اور جن کی ہیبت سے منہ پھیر کر سراسر ٹالنے اور بھاگنے کی غرض سے ایسی دور از صواب درخواستیں پیش کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے معجزات کا دکھلانا ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہے یوں تو اللہ جلشانہٗ قادر ہے۔ کہ اس قسم کے سب عجائبات ظاہر کر کے دنیا میں ہی وہ انکشاف تام کر دے۔ جو آخرت میں ہونے والا ہے۔ اور اخفا کے تمام پردے دور کر دے۔ مگر ابتدا سے اسکی یہی سنت رہی ہے کہ ایمان بالغیب کی رعایت سے معجزات دکھلاتا رہا ہے۔ کبھی کسی نبی نے ایسا نہیں کیا کہ ایک شہر کا شہر زندہ کر کے ان سے اپنی نبوت کی گواہی دلاوے۔ ہاں انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح کے مرنے پر صدیوں کے مرے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے۔ لیکن اگر یہ امر واقع میں ہؤا تھا اور جیسا کہ ہم پہلے کسی نمبر میں بیان کر چکے ہیں یہ خواب نہ تھا تو پھر ان مردوں کی گواہی بھی خلاف ہی ہو گی۔ کیونکہ اس کا اثر الٹا ہؤا۔ اور بجائے ماننے کے لوگ اور بھی مخالف ہو گئے +

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود تراشیدہ نشان مانگا کرتے تھے۔ اُن میں سے اکثر آخر کار آنحضرتؐ کے نشانوں کے گواہ بن گئے تھے۔ کیونکہ آخر وہی لوگ تو تھے جنہوں نے مشرف باسلام ہو کر دین اسلام کو مشارق و مغارب میں پھیلایا۔ اور نیز معجزات اور پیشگوئیوں کے بارے میں کتب احادیث میں اپنی رویت کی شہادتیں قلمبند کرائیں پس اگر بالفرض ان لوگوں نے ابتدا میں معجزات سے انکار بھی کیا تو یہ انکار اُن کا کیا وزن رکھتا ہے جب آخر کار وہ اس انکار سے خود دستکش اور تائب بھی ہو گئے۔ اس صورت میں قابل تسلیم تو اُن کی وہ شہادت ہے جو راہ راست پر آنے کے بعد اُنہوں نے دی۔ کیونکہ اپنے پہلے خیالات کو اُنہوں نے خود غلط سمجھا +

یاد رہے کہ قرآن شریف بجائے خود ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اور یہ ایسا معجزہ نہیں جس کو ایک ہی زمانہ کے لوگوں نے دیکھا ہو اور پھر وہ قصہ کہانی کے رنگ میں ہو گیا ہو۔ بلکہ ایک زندہ معجزہ ہے جو ہر وقت اور ہر آن میں ظاہر ہے۔ قرآن کریم کا عذابی نشان کا معجزہ جو اس وقت کے کفار کو دکھلایا گیا یہ ہمارے لئے بھی فی الحقیقت ایسا ہی نشان ہے جس کو جشمدید کہنا چاہئے وجہ یہ کہ یہ نہایت یقینی مقدمات کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ جس سے کوئی مخالف بھی کسی صورت سے انکار نہیں کر سکتا اول یہ مقدمہ جو بطور بنیاد معجزہ کے ہے نہایت بدیہی اور مُسلم الثبوت ہے۔ کہ یہ عذابی نشان اس وقت مانگا گیا تھا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند رفیق آنجناب کے مکہ میں دعوت حق کی وجہ سے خود صدہا تکالیف اور دکھوں اور دردوں میں مبتلا تھے۔ اور وہ ایام دین اسلام کے ابتدائی ایسے

ضعف اور کمزوری کے دِنوں میں کہ خود کفار مکہ ہنسی اور ٹھٹھے کی راہ سے مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو اس قدر عذاب اور مصیبت اور دکھ اور درد ہمارے ہاتھوں سے کیوں پہنچ رہا ہے اور وہ خدا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتا۔ اور کیوں تم ایک قدر قلیل جماعت ہو جو عنقریب نابود ہونیوالی ہے۔ اور اگر تم سچے ہو تو کیوں ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ جو کچھ کفار کو قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ایسے زمانہ تنگی و تکلیف میں کہا گیا۔ وہ دوسرا مقدمہ اس پیشگوئی کی عظمت شان کے سمجھنے کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت پر ایسا نازک زمانہ تھا۔ کہ ہر وقت اپنی جان کا اندیشہ تھا اور چاروں طرف ناکامی منہ دکھلا رہی تھی سو ایسے زمانہ میں کفار کو ان کے عذابی نشان کے مانگنے کے وقت صاف صاف طور پر یہ کہا گیا تھا کہ عنقریب تمہیں اسلام کی فتحمندی اور تمہارے سزایاب ہونے کا نشان دکھلایا جائیگا۔ اور اسلام جو اب ایک تخم کی طرح نظر آتا ہے کسی دن ایک بزرگ درخت کی مانند اپنے تئیں ظاہر کریگا۔ اور وہ جو اسلام کا نشان مانگتے ہیں۔ وہ تلوار کی دھار سے قتل کئے جاوینگے۔ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کفر اور کافروں سے صاف کیا جاویگا۔ اور تمام عرب کی حکومت مومنوں کے ہاتھ میں آجائیگی۔ اور خدائے تعالےٰ دین اسلام کو ملک عرب میں ایسے طور سے جما دیگا۔ کہ پھر بت پرستی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور حالت موجودہ جو خوف کی حالت ہے بکلی امن کے ساتھ بدل جائیگی۔ اور اسلام قوت پکڑیگا۔ اور غالب ہوتا چلا جائیگا۔ یہانتک کہ دوسرے ملکوں پر اپنی فتح و نصرت کا سایہ ڈالیگا۔ اور دُور دُور تک اس کی فتوحات پھیل جائینگی۔ اور ایک بڑی بادشاہت قائم ہو جائیگی۔ جس کا اخیر دنیا تک زوال نہیں ہوگا۔ اب جو شخص پہلے ان دونوں مقدمات پر نظر ڈال کر سمجھ لیوے کہ وہ زمانہ جسمیں یہ پیشگوئی کیگئی تھی اسلام کیلئے کیسی تنگی اور ناکامی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ اور جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ کس قدر حالت موجودہ سے مخالف اور خیال اور قیاس سے نہایت بعید بلکہ صریح محالات عادیہ سے نظر آتی تھی پھر بعد اسکے اسلام کی تاریخ پر جو دشمنوں اور دوستوں کے ہاتھ میں موجود ہے ایک منصفانہ نظر ڈالے کہ کیسی صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اور کس قدر دلوں پر ہیبت ناک اثر اس کا پڑا۔ اور کیسے مشارق اور مغارب میں تمام تر قوت اور طاقت کے ساتھ ظہور اس کا ہوا تو اس پیشگوئی کو یقینی اور قطعی طور پر چشمدید معجزہ قرار دیگا۔ جس میں اس کو ایک ذرہ بھی شک و شبہ نہ ہوگا +

دوسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہمارے لئے حکم مشہود و محسوس کا رکھتا ہے وہ عجیب و غریب تبدیلیاں ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ببرکت پیروی قرآن شریف واثر

صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ظہور میں آئیں جب ہم اسبات کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس عادت اور طریق کے آدمی تھے۔ اور پھر بعد شرف صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم واتباع قرآن شریف کس رنگ میں آگئے۔ اور کیسے اخلاق میں عقاید میں چلن میں گفتار میں رفتار میں کردار میں اور اپنی جمیع عادات میں خبیث کیحالت سے منتقل ہو کر نہایت طیب اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی اور روشنی اور چمک بخش دی تھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ تصرف ایک خارق عادت تصرف تھا جو خاص خدا تعالےٰ کے ہاتھ نے کیا۔ قرآن شریف میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے ان کو مردہ پایا اور زندہ کیا اور جہنم کے گڑھے میں گرتے دیکھا اور اس ہولناک حالت سے چھڑایا۔ بیمار پایا اور انہیں اچھا کیا۔ اندھیرے میں پایا اور روشنی بخشی اور خدائے تعالےٰ نے اس اعجاز کے دکھلانے کے لئے ایک طرف قرآن شریف میں عرب کے لوگوں کی وہ خراب حالتیں لکھی ہیں جو اسلام سے پہلے تھیں۔ اور دوسری طرف اُن کے وہ پاک حالات بیان فرمائے ہیں جو اسلام لانے کے بعد ان میں پیدا ہو گئے۔ کہ تا جو شخص ان دونوں حالات کو دیکھے وہ یقین کامل سے یہ سمجھ لیوے کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہئیے +

پھر تیسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے۔ اس کے حقائق و معارف و لطائف و نکات ہیں۔ جو اس کی بلیغ و فصیح عبارات میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس معجزہ کو قرآن شریف میں بڑے تشدد و مد سے بیان کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر کل دُنیا اکٹھی ہو کر اسکی نظیر بنانا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ یہ معجزہ اس دلیل سے ثابت اور متحقق الوجود ہے۔ کہ اس زمانہ تک کہ تیرہ سو برس گذر چکا ہے باوجودیکہ قرآن شریف کی منادی دُنیا کے تمام حصوں میں ہو رہی ہے۔ اور بڑے زور سے ھل من معارض کا نقارہ بجایا جاتا ہے۔ مگر کبھی کسی طرف سے آواز نہیں آئی۔ پس اس سے اسبات کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ کہ تمام انسانی قوتیں قرآن شریف کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز ہیں۔ بلکہ اگر قرآن شریف کی صدہا خوبیوں میں سے ایک خوبی کو پیش کر کے اسکی نظیر مانگی جائے تو انسان ضعیف البنیان سے یہ بھی ناممکن ہے۔ مثلاً قرآن شریف کی ایک یہ بھی خوبی ہے۔ کہ وہ تمام معارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ اور کوئی دینی سچائی جو حق اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے ایسی نہیں ہے جو قرآن شریف میں نہ پائی جاتی ہو۔ مگر ایسا شخص کون ہے کہ کوئی دوسری کتاب ایسی دکھلائے جسمیں یہ صفت موجود ہو +

پھر چوتھا زندہ معجزہ قرآن شریف کا اسکی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اسکی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں۔ اور مکالمات الٰہیہ سے مشرف

کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کی دعاؤں کو سنتا اور اُنہیں محبت کی راہ سے جواب دیتا ہے۔ اور بعض اسرار غیبیہ پر نبیوں کی طرح ان کو مطلع فرماتا ہے۔ اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے اُنہیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے۔ جو قیامت تک اُمت محمدیہ میں رہیگا۔ اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے مسلمانوں میں ایسے لوگ اب بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کہ جن کو اللہ جلشانہ اپنی تائیدات خاصہ سے موید فرما کر الہامات صحیحہ و رویاے صادقہ اور مبشرات اور مکاشفات غیبیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ غرض ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات نہ صرف عرب نے ہی دیکھے۔ بلکہ ہر ایک زمانہ اُن کو دیکھتا ہے۔ اور اس وقت بھی ان کا ظہور ہو رہا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ سوا اس کے جس کی آنکھوں پر تعصب یا جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہو +

کرشن کی تعلیم

قدیم ہندوستان میں کرشن ایک عظیم الشان انسان بلکہ ہندوستان کے سب رشیوں سے بزرگتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسکی اصل تعلیم میں بہت ساری غلطیاں بھر گئی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہماری موجودہ تحقیقات اسکی اصل تعلیم کے متعلق اصل سنسکرت زبان کی کتابوں پر مبنی نہیں بلکہ صرف انگریزی اور اردو تراجم ہی اس کا ماخذ ہیں۔ لیکن ان تراجم کی موجودگی میں غلطی کا کوئی بڑا احتمال نہیں کیونکہ دونوں قسم کے تراجم ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایک ان لوگوں کے جنہوں نے کرشن کو مسیح کیطرح واقعی خدا سمجھا ہے۔ اور دوسری طرف یوروپ کے محققین کے ترجمے ہیں۔ جنہوں نے بڑی محنت اور قابلیت سے علوم سنسکرت میں مہارت حاصل کی ہے۔ اور اُسکے وسیع خزانوں کو تلاش کرکے کرشن کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہانتک ہماری موجودہ تحقیقات کا دائرہ ہے ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں قسم کے ترجموں کی موجودگی میں ہم اصلیت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پبلک ان تراجم کی مدد سے کرشن کی تعلیم کو سمجھتی ہے۔ تو ہمیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو اسکے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اگرچہ ان دونوں فریقوں کے درمیان جنمیں سے ایک تو ان تمام قصص کو جو کرشن کی زندگی اور تعلیم پر سنسکرت زبان میں پائے جاتے ہیں۔ لفظ بلفظ وحی سمجھ کر اس پر ایمان لاتا ہے۔ اور کرشن کو واقعی زمین و آسمان کا مالک سمجھتا ہے۔ اور دوسرا ان تمام واقعات کو محض قصہ

اور کہانی سمجھتا ہے۔ اور کرشن کو ایک خیالی انسان تصور کرتا ہے۔ ایسے محققین کا ایک تیسرا گروہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ جو اس امر کی اصلیت کو سمجھ کر کرشن کو واقعی انسان اور قدیم ہندوستان کا مصلح سمجھتے ہیں اور جو اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ کرشن کے حالات کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ اس میں تھوڑی سی اصلیت کے ساتھ بہت سارے جھوٹے قصے ملائے گئے ہیں۔ لیکن باوجود اس امر کے اس عظیم الشان انسان کی اصل تعلیم اب تک نہیں سمجھی گئی۔ اور ابھی تک کسی نے اسکو ان غلطیوں سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کی جو بعد میں اس میں داخل ہو گئی ہیں۔ کرشن کی اصل تعلیم کی اس حقیقت کو ہم اس جگہ ظاہر کرنے کی کوشش کرینگے۔ وما توفیقی الا باللہ

کرشن کی تعلیم بھگوت گیتا میں ہے جو مہابھارت میں ایک درمیانی قصہ کے طور پر ہے۔ اس سوال سے ہمیں بالفعل کوئی تعلق نہیں ہے۔ کہ یہ کس زمانہ کی کتاب ہے۔ ممکن ہے کہ جیسا دہرندرناتھ پال نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ پندرہ صدی قبل از مسیح کی لکھی ہوئی ہو۔ یا جیسا کہ جان ڈویز ثابت کرتا ہے تیسری صدی عیسوی کی یہ کتاب ہو۔ البتہ یہ امر یقینی ہے۔ اور سب کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ کرشن کے زمانہ کے بہت دیر بعد یہ لکھی گئی ہے۔ اور دوسری طرف یہ امر بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ اسمیں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں اور زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ خود پال جو کرشن کا بڑا مداح ہے اپنی کتاب لائف اینڈ ٹیچنگز آف کرشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے:" موجودہ مہابھارت خود اسی پروا میں کہتی ہے۔ کہ بیاس نے اصل مہابھارت کو درمیانی قصص چھوڑ کر چوبیس ہزار شلوکوں میں لکھا تھا لیکن موجودہ مہابھارت میں چوبیس ہزار شلوک کی بجائے ایک لاکھ سات ہزار تین سو نوے شلوک ہیں اس کے مضامین کی فہرست میں بجائے اسکے اصلی ایک سو پچاس شلوکوں کے دو سو اڑسٹھ شلوک ہیں یہ اس امر کا صاف ثبوت ہے۔ کہ اصل مہابھارت میں چند ہزار سال کے اندر کئی ہزار شلوک بڑھ گئے ہیں اور پھر لکھا ہے۔ کہ جسوقت اگر سرو نے اسکو نیمش کی بیابان میں پڑھا تھا۔ اسوقت بھی اس میں بہت ساری تبدیلیاں اور ایزاد ہو چکے تھے۔ اور اسوقت بھی اسکی مختلف قراتوں کے متعلق بہت سا اختلاف رائے تھا"۔ ان حوالجات سے ظاہر ہے۔ کہ ان تغیرات کو الگ چھوڑ کر جو کرشن کی تعلیم میں اس وقت واقع ہو چکے تھے۔ جب وہ ابھی ضبط تحریر میں نہیں لائی گئی تھی۔ خود بھگوت گیتا میں بھی مہابھارت کے ساتھ بہت سے تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ہمارے پاس گیتا کے کسی اصول کو کرشن کی تعلیم نہ ماننے کے لئے کافی وجوہات ہوں تو پھر گیتا کے اس حصہ کو کرشن کے بعد کی غلطی سمجھنے میں ہم حق پر ہونگے +

جو شخص ہندو مذہب کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ گیتا کی تعلیم کو دیکھ کر ضرور حیران ہوتا ہے
ایک طرف اس ملک کے عام بت پرستی کے خیالات ہیں۔ اور دوسری طرف کرشن کی اعلےٰ درجہ کی موحدانہ
تعلیم ہے جسکو دیکھ کر ہر ایک منصف کو مجبوراً اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ اس تعلیم کا ماخذ کسی طرح سے کرشن کی اپنی
قوم یا وقت کی مروجہ تعلیم نہیں ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ ہندوؤں کو کبھی کرشن سے پہلے
توحید کی تعلیم نہیں دیگئی۔ یا مثلاً ویدوں میں ان کو ایسی تعلیم نہیں دیگئی تھی۔ لیکن کرشن کے وقت
میں توحید کی یہ تعلیم عناصر پرستی اور دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کے نیچے ایسی دبی ہوئی
تھی۔ کہ گویا مٹ ہی چکی تھی۔ جیسا کہ ویدوں کی موجودہ صورت سے بھی ظاہر ہے۔ اور علاوہ
اس کے یہ لوگ طرح طرح کی فلسفیانہ غلطیوں میں مبتلا ہو کر اصل توحید اور صفات الٰہی کی شناخت سے
بہت دور جا پڑے تھے۔ ہندو لوگ صرف اسی غلطی میں مبتلا نہ تھے کہ مردہ رسوم کی پیروی سے
اصل حقیقت کو بھول گئے تھے۔ بلکہ وہ اقرار توحید سے بھی دور جا پڑے تھے۔ اور چھوٹے
دیوتا اور دیویاں اپنے لئے ایسے تراش لئے تھے جنکی طرف وہ مختلف قسم کے کام اور مختلف درجہ
کی طاقتیں منسوب کرتے تھے۔ ہندو اس تاریکی اور جہالت میں مبتلا تھے جبکہ ان کے درمیان
ایک برگزیدہ انسان کرشن ظاہر ہوا۔ گیتا سے ہمیں ہندوؤنکی اس روحانی موت کی شہادت صاف
طور پر ملتی ہے۔ جیسا کہ اسکے چوتھے باب سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے "اے ارجن جب دھرم کی
ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے۔ تب میں پرماتما اوتار لیتا ہوں۔ میں نیک لوگوں کی رکھیا
کرتا ہوں۔ اور پاپیوں کا ناس کرکے بار بار اوتار دھار کے دھرم کو قایم کرتا ہوں" (۴/۷-۸)
چونکہ خدا کے نبی اسی ذات برتر کے مظہر ہوتے ہیں۔ اس واسطے انکے ظہور کو خدا کا ظہور قرار دیا گیا
ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دو عہدے جو کرشن نے اس جگہ اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ
نیک لوگونکی حفاظت کرنا اور بدکاروں کو تباہ کرنا ہیں۔ اور ایسا ہی کرشن کے آخری ظہور کے متعلق
جو کلجگ کے اخیر پر ہوگا یہی لکھا گیا ہے کہ وہ آ کر بدکاروں کو ہلاک کریگا اور نیکوں کی رکھیا کریگا۔ انہی
دو عہدوں کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دو خطاب یعنی رودر اور گوپال اشارہ کرتے
ہیں۔ جن ناموں سے آپ عرصہ پہلے وحی الٰہی میں بحیثیت کرشن ہونے کے پکارے گئے ہیں۔ اور یوں گیتا
کی اس عبارت سے اس پاک کلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو مدت پہلے آپ پر نازل ہوا تھا۔ کہ ہے
کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے +

الغرض حضرت کرشن علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہندو سخت عملی اور اعتقادی غلطیوں میں

بتلا تھے۔ اور کرشن نے ان دونوں قسم کی غلطیوں کی اصلاح کی اور اس ملک کے لوگوں کو حق کیطرف ہدایت کی
اپنی تعلیم میں اُنہوں نے توحید الٰہی پر بہت زور دیا ہے۔ اور خدا کے سوا تمام دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش سے
منع کیا ہے۔ چنانچہ ڈیویز صاحب اپنے گیتا کے ترجمہ کی تمہید میں لکھتے ہیں" اسکے یعنی کرشن کے نزدیک اعلےٰ
ہستی ایک ہے جس کا کوئی ہمسر یا شریک نہیں۔ اور جسکی طرف اس قسم کے صفات منسوب نہیں کئے گئے جو
عام ہندو انکے خیالات کے مطابق دیوتاؤں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور جو جذبات اور
بدیاں دیوتاؤں میں ہندوؤں نے سمجھ رکھی تھیں۔ ان سب سے اللہ تعالےٰ اسکے نزدیک پاک تھا"۔
چنانچہ یہ امر گیتا کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے " ان میں سے دانا آدمی جو صرف ایک کی
پرستش کرتا ہے سب سے افضل ہے" (۷/۱) جن کا گیان کسی قسم کی شہوات سے ضائع ہو جاتا ہے۔ وہ دوسرے
دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کی رسوم کے پیچھے چلتے ہیں" (۷/۲۰) " جو خالص میری پرستش
کرتے ہیں۔ اور دوسرے دیوتاؤں کی پناہ نہیں ڈھونڈتے جو میرے ساتھ پورا تعلق رکھتے ہیں انکو
میں اپنی برکات سے پورا پورا حصہ دیتا ہوں" (۹/۲۲) " دیوتا کے اوپاسک دیوتا کے لوگ اور پتروں کے اوپاسک
پتروں کے لوگ اور بھوتوں کے اوپاسک بھوتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور انہیں کے پاس جاتے ہیں
لیکن جو میری پرستش کرتے ہیں صرف وہی ہیں جو میرے پاس آتے ہیں" (۹/۲۵) اس سے ظاہر
ہے۔ کہ کرشن کی توحید کی تعلیم سطحی اور موٹی تعلیم نہیں بلکہ روحانی امور میں اسکی نظر بہت باریک معلوم
ہوتی ہے۔ اور کسیطرح پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی باریک توحید کی تعلیم اس کے اپنے دل سے نکلی
ہوئی تھی یا یہ کہ دوسرے انسانی ذرائع اس کا ماخذ تھے۔ وہ دریائے توحید کی تہ میں ایسا غوطہ
لگاتا ہے۔ اور روحانی بلندیوں پر اس طرح پرواز کرتا ہے۔ کہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکی تعلیم سرچشمہ
وحی الٰہی سے نکلی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے خیالات سے بہت بلند ہے۔ مثلاً
اس تعلیم پر غور کرو " جو کچھ تو کام کرے۔ جو کچھ تو کھاوے جو کچھ تو قربانی دیوے جو کچھ تو دان کرے
اور جو کچھ تو عبادت کرے۔ اس سب کو خالص میرے لئے کر" (۹/۲۷) ایسی ایسی تعلیمات سے صاف معلوم ہوتا
ہے۔ کہ اسکی تعلیم کسی انسانی چشمہ سے نہیں لیگئی تھی بلکہ انسان سے بلند تر کسی ہستی کیطرف سے تھی جب
ہم اس زمانہ کی جہالت اور تاریکی پر جو روحانی امور میں کرشن کے وقت میں پھیلی ہوئی تھی غور کرتے ہیں
اور پھر کرشن کی اس اعلےٰ درجہ کی تعلیم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس نے جو کچھ کہا
خدا کی طرف سے الہام پاکر کہا۔ ایسی اعلےٰ درجہ کی روحانی تعلیم کا ایسے انسان سے جس کا خدا کے ساتھ
کوئی تعلق نہ ہو۔ ہونا ہرگز ممکن نہیں ❖

کرشن کی تعلیم کی یہ بلند پروازی صرف توحید الٰہی کے متعلق ہی نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی ذات اور صفات کے تمام پہلوؤں پر اس کی تعلیم ایسی ہی اعلےٰ درجہ کی ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کو سب پاکوں سے پاک اور ابدی خالق مانتا ہے۔ اسکی تعلیم میں "اللہ تعالےٰ تمام عالم کا سرچشمہ ہے تمام موجودات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی سے یہ کل عالم نکلا ہے وہ سب سے اعلےٰ ہستی ہے سب سے اعلےٰ مقام۔ سب سے زیادہ پاک ہمیشہ کا خالق سب دیوتاؤں سے اول۔ غیر مخلوق سب کا خداوند ہے۔ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ سب کا مالک سب دیوتاؤں کا خدا تمام عالم کا حاکم ہے۔ اس پر کبھی زوال نہیں آتا۔ وہ غیب الغیب ہے۔ اس کا ظہور کسی چیز سے نہیں ہوسکتا۔ وہ سب پر محیط ہے پر اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ عرش پر غیر متبدل لازوال اور ابدی ہے"۔ کرشن کا اللہ تعالےٰ کو خالق اشیاء اور خالق عالم ماننا بھی صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہتا تھا جو کچھ کہ کہتا تھا کیونکہ ہندوؤں کے کل فلسفی طریقوں میں جیسا کہ آج کل آریہ سماج میں بھی یہی مانا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق نہیں۔ اگرچہ کرشن کی تعلیم میں بہت ساری غلطیاں ملا دی گئی ہیں۔ لیکن جو کچھ کہ ہم تک پہنچا ہے اُس سے بھی یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وہ خدائے تعالےٰ کو خالق مانتا تھا ؁

البتہ گیتا میں بعض بعض جگہ ایسی تعلیم بھی پائی جاتی ہے کہ خدا نے مجسم ہوکر انسانی صورت اختیار کی۔ اور خود کرشن نے ہی انسان کی شکل میں خدا ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اس تعلیم کو ہم کسی صورت میں کرشن کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ صاف معلوم ہوگا۔ کہ کسی انسان نے جس کے حواس میں فتور نہ آگیا ہو کبھی خدا ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ جو لوگ خدا بنائے گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ موت کے بعد ہی خدا بنے ہیں کسی انسان کو خدا بنانے کا خیال اُس وقت تقویت پکڑتا ہے جب اس پر ایک مدت گذر رہنے کے بعد اسکی اصل حقیقت آنکھوں سے چھپ جاتی ہے۔ اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے۔ اور تاریخ کے دھندلاپن میں اُسکی شکل بڑی نظر آنے لگتی ہے اُسکی نسبت خدائی کا خیال پیدا ہونے لگتا ہے ورنہ بیچارہ انسان کیا چیز ہے جو دنیا کی رنج و راحت میں شریک ہوتا ہوا اور دنیوی زندگی کی ضروریات کا محتاج ہوتا ہوا یہ دعوےٰ کرسکے کہ میں ہی زمین و آسمان کا خدا اور میں ہی پرستش کے لائق ہوں۔ اور میں اپنے پرستاروں کو کامیاب اور بامراد کرسکتا ہوں اور اُن کے دشمنوں کو ناکام اور نامراد کرکے صفحۂ دنیا سے ان کا نام مٹا سکتا ہوں۔ حالانکہ خود وہ طرح طرح کی ناکامیوں کا نشانہ ہو رہا ہو۔ کرشن جی کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ معمولی انسانوں کی طرح زمین پر رہتے تھے۔ اُن کے دشمن بھی تھے۔ جو ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے

تھے وہ تمام ضروریات میں انسانوں کی طرح محتاج تھے پس اُن کے متعلق خدائی کا خیال بھی اسطرح پیدا ہوگیا جس طرح حضرت مسیح کے متعلق حالانکہ یہ دونو بزرگ بالکل اس سے پاک ہیں۔ کہ اُنھوں نے کبھی ایسا کلمہ کُفر کا منہ سے نکالا ہو کہ ہم واقعی خدا ہیں۔ اور زمین وآسمان کی سب طاقتیں ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں مسیح کا زمانہ کرشن کی نسبت نزدیک ہونے کی وجہ سے مسیح کی خدائی کی تاریخ کا پتہ تو صاف ملتا ہے۔ لیکن اس امر کی بھی کافی شہادت ملتی ہے۔ کہ کرشن کی خدائی کا خیال بھی بتدریج ہی ترقی پذیر ہوا ہے۔ چنانچہ ڈیویز صاحب لکھتے ہیں۔ کہ وشنووں نے اس دعوے کو ترقی دی لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو اس بات کے قائل تھے کہ وہ واقعی انسان تھا۔ کیونکہ بھشما پروان میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ جو کوئی یہ کہے کہ وہ یعنی کرشن محض انسان تھا وہ موٹی سمجھ کا آدمی ہے۔ اگر بعض ایسے فقرات ہیں جن میں اُسے سب چیزوں کا اصل اور منبع بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ فقرات بہت تھوڑے ہیں تو وہ اس مضمون کی نظم کے عام پیرایہ کے اس قدر مخالف ہیں۔ کہ ہم ڈاکٹر میور کے ساتھ اُن کو پچھلے زمانہ کی ملائی ہوئی عبارتیں اور تحریفیں کہنے کیلئے مجبور ہیں۔ اصل میں تو پرانوں کے زمانہ میں ہی آکر اُسکو پورا پورا خدا بنایا گیا ہے۔ اور سب سے پہلا پران یعنی وایو پران تمام محققین کے اتفاق رائے سے چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے" اسکے علاوہ مہابھارت کے دوسرے مقامات سے یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ خود کرشن مہادیو یعنی اعلےٰ ہستی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اسیطرح ایک اور کتاب میں یہ ذکر ہے۔ کہ کرشن اور ارجن نے اللہ تعالےٰ کے سامنے زمین پر ماتھا ٹیکا۔ دیکھو ترجمہ گیتا ڈیویز صاحب صفحہ ۱۹۰ ۞

ہندوؤں کی تو طبیعت میں ہی بُت پرستی اوائل زمانہ سے ہی بہت غالب ہی ہے لیکن اس بات کو چھوڑ کر بھی ایک موٹی سمجھ کا انسان ایک نبی کے الفاظ کے متعلق جو خدا کی طرف سے ہو کر بولتا ہے آسانی سے غلطی کھا سکتا ہے مثلاً قرآن شریف میں اصل متکلم تو اللہ تعالےٰ ہے۔ مگر جس انسان کے مُنہ سے وہ کلام نکلکر دوسرے انسانوں تک پہنچا ہے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب بعض جگہ جو صفات ضمیر متکلم میں اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ اُن صفات الٰہی اور طاقتوں کو نبی کریم کے متعلق خیال کر لینا سخت غلطی ہے۔ اسی قسم کی غلطی کرشن کے متعلق بھی واقع ہو سکتی ہے مثلاً جب ہم گیتا میں کرشن کے مُنہ سے نکلا ہوا یہ کلام پڑھتے ہیں کہ میں ہی تمام چیزوں کا منبع ہوں۔ اور تمام عالم اور تمام مخلوق میرے ہی ہاتھوں سے نکلی ہے۔ تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ یہ لفظ کرشن اپنے متعلق بول رہا ہے سخت غلطی ہے۔ وہ تو خدا کیطرف سے

ہو کر بول رہا ہے۔ اور میں سے مراد اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ کرشن۔ علاوہ ازیں کرشن جی بڑے پرزور الفاظ میں شرک سے روکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے دیوتا کے آگے جھکنے سے بار بار منع کرتے ہیں اب انہیں دوسرے دیوتاؤں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنکو اُسوقت کے یا پہلے لوگوں نے خدا سمجھ رکھا تھا۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کرشن جی دوسرے انسانوں کی پرستش سے تو پرزور الفاظ میں لوگوں کو منع کرتے۔ اور پھر خود انسان ہو کر آپ پرستش کے حقدار بن بیٹھتے۔ ایک سمجھ دار انسان ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا۔

اگر انسان خدا ہو سکتا ہے یا خدا آدمی بن سکتا ہے۔ جو دونوں ملتے جلتے اعتقاد ہیں۔ تو پھر ایک انسان پر کیا منحصر ہے۔ کیوں دوسرے خدائی کے دعویدار جھوٹے ہوئے اور ایک ہی ان میں سے سچا رہا۔ حالانکہ کوئی ما بہ الامتیاز گیتا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ جس شخص کی یہ تعلیم ہو کہ "جن لوگوں میں نفسانی خواہشات علم پر غالب آگئی ہیں وہی لوگ ہیں جو خدا کے سوائے دوسرے معبودوں کیطرف جاتے ہیں"۔ اور پھر یہ کہ "میرے پاس صرف وہی لوگ آوینگے جو خالص میری پرستش کرتے ہیں" ایسا توحید کا معلم یہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ کہ اب مجھے معبود بناؤ۔ ناظرین کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ گیتا واقعی اس غلط تعلیم سے خالی ہے۔ یا ہم اسبات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مروجہ گیتا میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ہمارا منشا صرف یہ ہے کہ ان تعلیموں کو کرشن جی کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ خود گیتا سے یہ شہادت ملتی ہے۔ کہ یہ تعلیم کرشن کی دوسری تعلیم کے بالکل مخالف ہے۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ کرشن کے وقت سے بعد اُنکی کلام میں درج ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جس سے کرشن جی کا دامن پاک ہونا چاہئے۔ درحقیقت اُس شخص کے مقصد کے جو نبی ہو کر دنیا کی اصلاح کیلئے آتا ہے۔ یہ امر بالکل برخلاف ہے۔ کہ وہ ایسی تعلیم انسانوں کو دے کہ خدا بھی انسان بن جایا کرتا ہے۔ ایسے ایسے خیالات ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو نبوت کے زمانہ سے بعد آتے ہیں۔ اور روحانیت سے بالکل بے بہرہ ہونیکے سبب تمام روحانی امور کو جسمانی سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کیلئے بھی جسم تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ مذاہب کے مطالعہ سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ کہ جہاں کوئی انسان خدا بنایا گیا ہے۔ ہمیشہ پیچھے آنے والے لوگونکی تجویزوں سے ہی ایسا ہوا ہے۔ خود گیتا میں خدا کے جسم اختیار کرنے کا انکار موجود ہے۔ جیسا کہ اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ "بیوقوف سمجھتے ہیں کہ میں جو جسمانی رنگ میں ظاہر نہیں ہوتا جسم رکھتا ہوں"۔

ایک اور قابل اعتراض امر گیتا کی تعلیم میں جو کرشن جی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مسئلہ تناسخ ہے۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ مسئلہ بھی کسی طرح کرشن کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دوسری جگہ

اسی مسئلہ کی تردید موجود ہے۔ اور جن اہم مسائل پر اسکی بنا ہے وہ کرشن کی تعلیم کے بالکل مخالف ہیں۔ تناسخ کا مسئلہ ایک طرف تو یہ چاہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق ارواح نہ ہو بلکہ روح بھی خدا کی طرح قدیم اور خود بخود ہو۔ اور دوسری طرف تناسخ مان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نجات ابدی نہ ہو بلکہ چند روزہ ہو جس سے ارواح کو پھر محروم کرکے پھر اُنکو تناسخ کے چکر میں ڈالا جاوے۔ تاکہ نظام عالم چلتا رہے۔ ان دونوں امور کا تعلق مسئلہ تناسخ کے ساتھ کئی مرتبہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس لئے اس کے دوبارہ یہاں جتانے کی یا اس بحث میں پڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اب کرشن کی تعلیم کو غور کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کے نزدیک یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔ نہ روح کا قدیم اور خود بخود ہونا اور نہ نجات کا ایک عارضی اور چند روزہ متاع ہونا۔ اور یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کرشن سچے دل سے اس امر کو مانتا اور اسی کی تعلیم دیتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق اشیاء اور تمام موجودات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی کے ہاتھ سے ہر ایک چیز نکلی ہوئی ہے۔ اس تعلیم میں کسی قسم کا ابہام یا شک وشبہ نہیں۔ بلکہ بار بار اور کھول کھول کر اسے بیان کیا گیا ہے۔ اور نہایت واضح الفاظ میں خدا کی خالقیت کو کرشن نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ اقرار گیتا میں بار بار پایا جاتا ہے۔ اسلئے اگر کوئی عقیدہ ایسا پیش کیا جاوے جو اس تعلیم کے مخالف ہو تو اُسے کرشن کی طرف منسوب کرنا پرلے درجہ کی بےانصافی ہوگی۔ پھر جس صورت میں گیتا خدا کی خالقیت کے اقرار سے پُر ہے تو ایک آدھ جگہ کسی ایسے فقرہ کا پایا جانا کہ روح ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ اگر اسکے یہ معنے نہ کئے جاویں۔ کہ خدا ہمیشہ سے خالق ارواح رہا ہے اور ہمیشہ سے ہی اسکی مخلوق چلی آئی ہے تو مجبوراً اسے تحریف کہنا پڑیگا۔ کیونکہ اس سے کرشن کی ایک کھلی کھلی اور نہایت معقول تعلیم کا انکار لازم آتا ہے۔ اسیطرح پر حقیقی نجات بھی کرشن کے نزدیک ابدی نجات ہے۔ جس سے پھر روح کو محروم نہیں کیا جاویگا۔ چنانچہ گیتا میں یہ تعلیم موجود ہے کہ "وہ جس کی روح تمام دنیاوی اور خارجی تعلقات کو قطع کر چکی ہے۔ وہ سچی خوشحالی کو پالیتا ہے۔ اسکی روح خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرکے ہمیشہ کی خوشحالی اور ابدی برکات کی وارث ہوجاتی ہے کیونکہ وہ خوشیاں جو دنیاوی تعلقات سے حاصل ہوتی ہیں وہ دُکھ کو پیدا کرنیوالی ہیں۔ وہ آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ اسلئے دانا آدمی اُن میں کوئی خوشی نہیں پاتا" ($\frac{5}{21-22}$) کیونکہ اعلےٰ درجہ کی سچی خوشحالی اس یوگی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کا دل اطمینان پا چکا ہے جس کے جذبات بھی ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ جس کا تعلق خدا کے ساتھ یگانگت کا تعلق ہو چکا ہے۔ اور جو گناہ سے پاک ہو چکا ہے۔ جو یوگی اس طرح پر خدائے تعالےٰ کے ساتھ اپنی روح کا تعلق پیدا کرتا ہے

اور جو گناہ سے رُک چکا ہے وہ خدا تعالےٰ کے ساتھ تعلق کی بے انتہا خوشیوں کو پاتا ہے" (۶/۲۷-۲۸) بعض
لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ کرشن کے نزدیک دو قسم کی نجات ہے۔ ایک عارضی نجات اور ایک ابدی نجات۔
مگر ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اس بات کے تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ نجات گناہ
سے رہائی پانے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ گیتا میں بھی نجات انہیں معنوں
میں لیگئی ہے۔ اسلئے عارضی نجات کے اگر کچھ معنے ہوں تو یہی معنے ہونگے کہ وہ گناہ سے عارضی رہائی
پانے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ عارضی تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ لیکن کرشن اس قسم کی نجات کا
قائل نہیں۔ اُسکے نزدیک اللہ تعالےٰ سے تعلق ایک ایسا تعلق ہے جو ہمیشہ کیلئے رہتا ہے۔ ہاں یہ بات
صحیح ہے کہ وہ ایک اور قسم کی خوشی کا ذکر بھی کرتا ہے یعنی ان لوگوں کی خوشی جو خدا کی بجائے دوسرے
دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور جس خوشی سے وہ جلدی محروم کئے جاتے ہیں۔ گیتا میں اُن کا
نام بھی بہشتی خوشیاں رکھا گیا ہے لیکن حقیقی بہشت کی خوشیاں اُن کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ ایک سفلی
بہشت قرار دیا گیا ہے۔ جو اندر اور دوسرے دیوتاؤں کا بہشت کہلاتا ہے جنکی پرستش سے کرشن پُرزور الفاظ
میں روکتا ہے۔ اسلئے یہ خوشی سچی بہشتی خوشی نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسکو نجات کہا جا سکتا ہے۔ اس قسم
کی عارضی خوشیوں کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہم پھر گیتا کی طرف رجوع کرتے ہیں "تین مقدس
کتابوں (یعنی ویدوں) کے پیچھے چل کر اور نفسانی اغراض کی خواہش رکھ کر وہ اس چیز کو حاصل کرتے
ہیں جو آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ لیکن اپنی یقینی برکات میں صرف اُنہیں کو دیتا ہوں۔ جو
خالص میری ہی پرستش کرتے ہیں۔ اور کسی دوسرے معبود کی پناہ نہیں ڈھونڈتے۔ جو عبادت سے
ہمیشہ میرے ساتھ پورا تعلق رکھتے ہیں" (۹/[illegible]) اس جگہ اُن عارضی خوشیوں کی پوری کیفیت بیان کیگئی
ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ مقدس کتابوں کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ نفسانی خواہشات اور جذبات
کے مطیع ہوتے ہیں وہ خدا کی پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
اس لئے وہ گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی خدا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے
پس وہ اس حقیقی نجات تک بھی نہیں پہنچتے جو انسان کا اصلی مقصد ہے۔ انکی خوشی ایسی ہے جو
آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ اور اسلئے اسے اس آسمانی خوشی سے کوئی تعلق نہیں جو اللہ تعالےٰ کے
پرستار کو اسکے پاک تعلق سے ملتی ہے۔ اسلئے یہ خوشی ایک جھوٹی تسلی ہے۔ جو جھوٹے معبودوں
کے پرستاروں کو ایک وقت کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جس سے وہ جلدی محروم ہو جاتے ہیں
کیونکہ جن معبودوں پر وہ تکیہ کرتے ہیں۔ وہ خود ناچیز ہیں۔ پس اُن کی خوشیاں بھی ناچیز ہیں

پھر آگے چل کر لکھا ہے :۔

"لیکن ایسے لوگ درحقیقت مجھے نہیں جانتے اور اس لئے وہ گر جاتے ہیں ۔ وہ لوگ جو دیوتاؤں کا اُپدیشک کرتے ہیں ۔ وہ دیوتاؤں کی طرف جاتے ہیں ۔ ۔ ۔ اور وہ جو خالص میری عبادت کرتے ہیں وہی ہیں جو میرے پاس آتے ہیں" ۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے ۔ کہ "جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہی دیوتاؤں کیطرف جاتے ہیں" ۔ اسلئے ایسے لوگوں کی حالت جو ابھی تک اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں نجات کبھی نہیں کہلا سکتی ۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اور جس چیز کو وہ بہشت سمجھ بیٹھتے ہیں ۔ وہ اصل میں دوزخ ہوتا ہے ۔ جیساکہ دوسری جگہ صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔ کہ "وہ خوشیاں جو ان تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں انہیں سے تمام دُکھ پیدا ہوتے ہیں" ۔

اس سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ کرشن کی تعلیم میں عارضی نجات ہرگز نہیں پائی جاتی ۔ اس کے نزدیک نجات کے حصول کا طریق سچا اسلامی طریقہ ہے ۔ ایک گنہگار آدمی بھی اپنا تزکیہ نفس کر کے نجات پا سکتا ہے ۔ اور یہ ایسی تعلیم ہے جو عام ہندو عقیدہ کے جو تناسخ سے پیدا ہوتا ہے سخت مخالف ہے ۔ اور اس طرح پر عقیدہ تناسخ کو جڑ سے اکھاڑنے والی ہے ۔ چنانچہ گیتا میں لکھا ہے "اگر ایک بدکار بھی بدکاری کو چھوڑ کر خالص میری ہی عبادت کرتا ہے ۔ تو اسکو نیک آدمی سمجھنا چاہئے کیونکہ اُس نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے بہت جلدی وہ راستباز انسان بن جاتا ہے ۔ اور ابدی آرام کو پا لیتا ہے ۔ یقیناً جان لو کہ جو شخص میری عبادت کرتا ہے ۔ وہ کبھی ہلاک نہیں ہوتا ۔ وہ جو مجھے اپنی پناہ بناتے ہیں ۔ اگرچہ وہ گناہوں میں ہی پیدا ہوئے ہوں ۔ عورتیں ۔ ویش اور شودر ۔ یہ سب لوگ اُس اعلےٰ مقام تک پہنچ سکتے ہیں" ($\frac{9}{32-30}$) اب یہ تعلیم اصول تناسخ کو جڑوں سے کاٹتی ہے ۔ کیونکہ اس کے بموجب ایک گناہگار بغیر جونوں کے چکر میں پڑنے کے نجات پا سکتا ہے ۔ حالانکہ تناسخ کے رو سے یہ قاعدہ صحیح نہیں ۔ اور نہ ہی عورت نجات پا سکتی ہے ۔

درحقیقت ایک شخص کو جو غور سے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر غور کرے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کا مآل اور اس کے حصول کا طریق ایک ہی ہے ۔ جہانتک خدائیتعالےٰ کی وحی کا سلسلہ چلتا ہے اسکی طرف سے حصول نجات کا صرف ایک ہی طریق انسانوں کو بتایا گیا ہے یعنی تزکیہ نفس اور اس کے سوائے جو کچھ طریقے لوگوں نے ایجاد کئے ہیں ۔ وہ ہرگز حصول نجات کے طریقے نہیں ہر ایک نبی نے تزکیہ نفس پر ہی زور دیا ہے ۔ اور اگر دنیا کی بہتری ہو سکتی ہے تو تزکیہ نفس سے ہی

ہو سکتی ہے۔ یہ عجیب اتحاد ان تمام لوگوں کی تعلیم میں جو مختلف ممالک میں اور مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی ہدایت کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس امر پر شاہد ہے کہ وہ ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہے۔ اور وہ ایسا سرچشمہ ہے۔ جو جو تمام انسانی ذرائع سے بلند تر ہے۔ بعض لوگوں نے ایسی ایسی مشابہتوں سے غلط نتیجے پیدا کئے ہیں مثلاً پادری صاحبان اس کوشش میں ہیں۔ کہ یہ ثابت کریں کہ چونکہ کرشن اور مسیح کی تعلیم بعض جگہ ملتی جلتی ہے۔ اسلئے ضرور ہے۔ کہ کرشن کی تعلیم مسیح کی تعلیم سے لیگئی ہو۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک خدا کی طاقت ایسی محدود ہے۔ کہ اپنی مرضی سوائے اسرائیلیوں کے دوسروں پر ظاہر ہی نہ کر سکتا تھا اور پھر اس اظہار کا ذریعہ سوائے یسوع مسیح کے اور کسی کو بنا ہی نہ سکتا تھا۔ لیکن اگر یہ استدلال صحیح ہے۔ تو پھر کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ مسیح کی تعلیم کرشن سے لی گئی ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک قوم کے پاس ہدایت بھیجی اور ہر ایک قوم کو وہ راہ دکھایا جو اسکی کامیابی اور خوشحالی کا راہ تھا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ خود اُن کو یہ راہ نہ بتاتا تو وہ کبھی وحشت کیحالت سے نکل ہی نہ سکتے۔ اسی الٰہی قانون کے مطابق کرشن ہندوؤں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اور اُنہوں نے اُن لوگوں کو وہی تعلیم دی۔ جو دوسرے انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو دی۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی مرضی اور ارادے کے کامل طور پر نیچے ہو کر چلنا۔ نفسانی خواہشات اور جذبات کو دبانا اور تزکیہ نفس کرنا یہی تعلیم کرشن کی گیتا میں موجود ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس تعلیم میں مرور زمانہ سے غلطیاں ملگئی ہیں۔ اور ضروری بھی تھا کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ یہ قبل از وقت بتایا گیا تھا۔ کہ جب اس سچی تعلیم کو لوگ بھول جاوینگے۔ اور اَور راہیں اختیار کرلینگے تو کرشن کا بروز پھر آخری زمانہ میں ان غلطیوں کی اصلاح کیلئے ظاہر ہوگا۔ سو خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ہے۔ مبارک وہ جو اسکو پہچان کر سچی راہ کو اختیار کریں۔ اور دائمی خوشحالی کے وارث ہوں +

بعض مسلمان بھی جلد بازی سے عیسائیوں کیطرح اس امر سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ کہ کرشن نبی تھا یا ہندوؤں میں بھی کوئی نبی آیا ہو۔ حالانکہ قرآن شریف میں صریح الفاظ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہم ہر ایک امت میں نذیر بھیج چکے ہیں۔ اور یہ بھی قرآن کریم نے صاف فرما دیا ہے۔ کہ ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں۔ اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ایک قریب کے زمانے میں کس طرح عیسائیوں نے مسیح کی تعلیم کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہانتک کہ اُس تعلیم کے رو سے وہ نعوذ باللہ خدا کے سچے نبی بھی نہیں ٹھیر سکتے تو پھر یہ کونسی بعید از قیاس بات ہے کہ کرشن کی تعلیم میں بعض غلطیاں پیچھے سے ملا دی گئیں۔ اور جہلا نے اُسے خدا سمجھ لیا۔ کیونکہ جب ہم انکی تعلیم

کے بڑے حصہ کو جو نجات کے متعلق ہے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے
جس قدر فقرات اس تعلیم کے اوپر نقل کئے گئے ہیں۔ ان سے بخوبی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ اور
اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ پھر ہم اس مضمون پر لکھینگے ٭

مسلمانوں کی مہذب پارٹی

اس مضمون کا عنوان کسی قدر مغالطہ میں ضرور ڈالتا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بہتر نام تجویز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہم اسی نام کو اختیار کرتے ہیں۔ جو ہمارے بعض مہذب بھائیوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس جگہ مسلمانوں کی مہذب پارٹی سے ہماری مراد ملک کے کل تعلیم یافتہ مسلمان نہیں۔ اور نہ ہی اُس جماعت کا بڑا حصہ مراد ہے۔ بلکہ وہ معدودے چند تعلیم یافتہ اصحاب ہیں جو اُنگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اور جو موجودہ مسلمانوں سے الگ ہوکر اپنے لئے ایک نیا فرقہ بنانیکی تجویز کرتے ہیں۔ اس نئے فرقہ کے بنانے میں اُن اصول کی پابندی مدنظر رکھی گئی ہے جو غلطی سے موجودہ مغربی تہذیب کے اصول اور بڑے بواعث سمجھ لئے گئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اصل وجہ اس علیحدگی کی زمانہ حال کے اکثر مسلمانوں کی جہالت اور توہم پرستی ہے جس سے خود بخود طبیعتیں متنفر ہونے لگی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے مذہبی دائرے پر اس نئی تحریک کے حملے سچے اور صحیح اصول پر مبنی نہیں ہیں۔ جن کا اصل باعث کسیقدر تو مذہبی اصول سے ناواقفیت ہے۔ اور کسیقدر جھوٹے مذہبی پیشواؤں کی قابل نفرت حالت۔ مذہب کی آڑ میں جو سیاہ کام کئے جاتے ہیں اُنہوں نے بعض طبیعتوں پر اتنا اثر کیا ہے۔ کہ اُن کو مذہب کے نام سے متنفر کردیا ہے۔ اور اس طرح پر توسط کو چھوڑ کر وہ ایک حد سے دوسری حد پر پہنچ گئے ہیں جھوٹے فلسفیانہ خیالات نے ایمان کو برباد کردیا ہے۔ اور اگرچہ اب تک بظاہر مُنہ سے عقاید اسلام کو مانا جاتا ہے۔ لیکن عملی حالت اس اقرار کو جھوٹا ثابت کررہی ہے ٭

اس نئی تحریک کے لئے ابھی کوئی خاص بڑی تجویز نہیں ہوئی۔ ایک شخص تو یہ تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے بعض تمدنی امور میں جو مذہبی عقاید میں داخل ہیں اصلاح ہونی چاہئے۔ اور ان میں سے زیادہ زور تعدد ازدواج اور پردہ پر ہے۔ ایک اور شخص یہ تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ مذہبی فرائض میں کسیقدر اصلاح چاہئے اور اُنکی ادائیگی کے طریق میں موجودہ زمانے کے مطابق کسی قدر تبدیلی ہونی چاہئے

گویا نماز روزہ اور حج کی شکل مل جانی چاہئے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک اور مجوز نے چند ہی روز ہوئے ہیں یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ قرآن کریم کا وہ حصہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا منسوخ سمجھنا چاہئے۔ اس نئی تجویز کے مطابق قریباً کل کی کل اسلامی شریعت کو جواب ملتا ہے۔ یہ سب ابھی تک فرداً فرداً تجاویز ہو رہی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ عام مسلمانوں کے نزدیک یہ سب تجاویز مکروہ اور قابل نفرت ہیں۔ انہیں میں سے بعض اصول کی بنا پر ایک نیا فرقہ بنانے کی تجویز بھی خالی ایک ہی آدمی کی تجویز ہے۔ اور جہانتک ہمیں علم ہے اس صدا کا کسی طرف سے ان میں جواب نہیں ملا۔ ان سب تجاویز کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں اصلاح کرکے ان کو تہذیب کے معراج پر پہنچایا جاوے۔ ہمارے خیال میں ان تجاویز کے پیش کرنے والوں کو سخت غلطی لگی ہے اس تحریک میں سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ جو لوگ ان تجاویز کو پیش کرتے ہیں جن کو وہ مسلمانوں کی تہذیب کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ خود ان تجاویز پر عمل کرنے سے قاصر ہیں اور اس طرح پر وہ چیز جس کی ایک قوم کی اصلاح کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یعنی عملی حالت کا علمی حالت کے مطابق ہونا وہی مفقود ہے۔ اور مہذب پارٹی کا یہ خاصہ ہی ہمیں شروع میں ہی مایوس کر دیتا ہے۔ کہ انکی پیش کردہ تجاویز سے کبھی مسلمانوں کی اصلاح ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ہمارے اس ریمارک سے ہمارے دوست ناراض ہو جاویں۔ لیکن اگر وہ غور سے اپنی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کے کرنے میں کہانتک قاصر ہیں۔ اس جگہ تفصیل کی حاجت نہیں۔ اور تفصیل سے شاید وہ رنجیدہ بھی ہوں۔ اسلئے ہم صرف ان تجاویز کو لیتے ہیں جن پر آجکل بہت زور دیا جا رہا ہے۔ انمیں سب سے پہلی تجویز یہ ہے۔ کہ نماز ایسی زبان میں ادا کیجاوے جس سے نماز پڑھنے والا واقف ہو۔ اور اسکو مہذب سوسائٹی کے لئے نہایت ضروری اصول قرار دیا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس اصول پر عمل بھی ہوتا ہے۔ آیا وہ لوگ جو اس اصول کو پیش کرتے ہیں نماز سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور اسکی پوری عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ صرف اتنی بات کو ہی پسند نہیں کرتے کہ نماز ایک ایسی زبان میں پڑھی جاوے جس سے ہم واقف نہیں۔ اس سوال کو ہم اور بھی کھول کر پیش کرتے ہیں۔ کیا مہذب پارٹی کے ممبر واقعی نمازیں پڑھتے ہیں عربی میں نہ سہی انگریزی یا اردو ہی میں سہی؟ حقیقت یہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں۔ کہ ہمارے مہذب بھائی اسکے بیان کرنے میں ہمیں مجبور سمجھینگے کہ ان کو کسی خاص زبان سے نفرت نہیں جسمیں نماز ادا کیجاوے بلکہ خود نماز سے ہی نفرت ہے۔ کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اعلےٰ تعلیم کے ایسے پر جوش

حامی ہوں وہ یہ پسند کریں کہ مسلمان بالخصوص عربی زبان سے ناواقف رکھے جاویں۔ کیا کوئی خاص وجہ بتلائی جا سکتی ہے۔ کہ جس صورت میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہمیں اپنی تمام زندگی انگریزی تعلیم کے حصول میں وقف کر دینی چاہئیے۔ کیوں عربی کو بالخصوص ہمارے تعلیمی کورس میں سے قطعی طور پر الگ کر دینا چاہئیے ہم یہ نہیں کہتے کہ انگریزی تعلیم نہیں ہونی چاہئیے۔ بلکہ ضرورت یہ ہے۔ کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ عربی زبان اور علم ادب میں بھی مسلمانوں کو ترقی کرنی چاہئیے۔ اور جس طرح پر انگریزی اُن کے واسطے لازمی سمجھی جاتی ہے اسیطرح عربی بھی لازمی سمجھی جانی چاہئیے۔ اگر انگریزی زبان میں علوم کے خزانے ہیں تو اُن سے بھی زیادہ وسیع خزانے عربی زبان میں موجود ہیں۔ جنکو دریافت کرنا اور جن سے فائدہ اٹھانا ہمارا فرض ہے +

لیکن اصل مضمون سے ہم دور چلے گئے ہیں۔ اصل غرض ہماری یہ ہے۔ کہ ان تجاویز کے مویدوں کو پہلے خود ان تجاویز پر عمل کر کے دکھلانا چاہئیے۔ اُنہیں ہم پر یہ ثابت کر دینا چاہئیے۔ کہ وہ نماز سے واقعی اور سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور صرف اسیقدر چاہتے ہیں۔ کہ نماز اُس زبان میں ادا کی جاوے جس کو وہ جانتے ہیں۔ اسی طرح پر پردہ کے دور کرنے کے لئے بہت شور ڈالا گیا ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسا بہادر بھی ہے۔ جس نے اس پر عمل کر کے دکھلایا ہو۔ یہ ہم اسلئے نہیں کہتے کہ ایسی مثالوں کے قائم ہونے سے مسلمانوں کی کسی بہتری کی امید ہو سکتی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ پردہ کے دور کرنے سے جس سے ہماری مراد وہ پردہ ہے جو اسلامی شریعت نے تجویز کیا ہے نہ اُس کا موجودہ تشدد۔ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچیگا جیسا کہ آجکل کی تہذیب کے معراج پر پہنچی ہوئی ایک قوم کو اسی وجہ سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر یہ سمجھا جاوے کہ ہماری رائے اس معاملہ میں متعصبانہ ہے۔ یا واقعات پر مبنی نہیں تو کسی عیسائی مصنف کو دیکھ لیا جاوے۔ اور وہ اس بیان کی تائید کریگا کہ اگر پاکدامنی کے معاملہ میں یوروپ کی سوسائٹی سب سے نیچے نہیں تو کم از کم وہ اوپر تو ضرور نہیں۔ بوسانقسٹ نے چند سال ہوئے فنسبری میں ایک لکچر عیسائی تہذیب پر دیا تھا۔ جس میں اُس نے اسی حقیقت کو جس کا سوائے اندھے متعصبوں کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ "میں پرہیزگاری اور پاکدامنی کے مقابلہ کو اس وقت نہیں لیتا۔ کیونکہ اگر ان لوگوں میں سے جو عیسائیت کے منکر ہیں کوئی ایسی قوم ہے جو ان دو معاملوں میں ہم سے بھی بُری ہے تو وہ درحقیقت بہت ہی بری قوم ہونی چاہئیے"۔ اسی طرح عیسائی مذہب کا ایک ایسا بڑا عہدہ دار جیسا کہ کنٹربری کا لاٹ پادری جو درحقیقت سب سے بڑا عہدہ دار ہے اقرار کرتا ہے۔ کہ لندن کے بازار نوجوانوں اور ناتجربہ کاروں کے

اُنھوں نے ان سب باتوں کو تسلیم کر لیا۔ کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانے سے یہ سب باتیں اُن کو ماننی پڑیں کہ پہلے ہم نے معجزات بھی دیکھے تھے۔ ان کو سحر بھی کہا تھا اور جھٹلایا بھی تھا۔ غرضیکہ کسی پہلو سے سوچا جاوے قرآن کریم بآواز بلند پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو معجزات دکھائے۔ اور قرآن کی طرف معجزات کا انکار منسوب کرنا سراسر غلطی ہے +

ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمت کے نشان اور خوشخبری کے نشان دوسرے عذاب کے نشان اور تخویف کے نشان۔ قرآن کریم کو پڑھنے سے یہ تقسیم صاف معلوم ہوتی ہے چنانچہ نبی کا نام بشیر اور نذیر رکھنا بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ یعنی وہ خوشخبری بھی دیتا ہے۔ اور ڈراتا بھی ہے۔ اب واضح ہو کہ نبی کا خوشخبری دینا اور ڈرانا محض آخرت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار ابھی دنیا سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ تا آخرت کے وعدوں کی نسبت حق الیقین حاصل ہو جائے دنیا میں ایک گروہ کو جو نشانات آلہی کا مصدق ہو جاتا ہے کامیابی اور خوشحالی کے وعدے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو جو ان نشانات کی تکذیب کرتا ہے ہلاکت اور ناکامی اور نامرادی سے ڈرایا جاتا ہے پس جب یہ ہر دو گروہ ان ہر دو وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے ایمان آخرت کے وعدوں اور وعیدوں پر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ پوری بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ ایسا بشیر اور نذیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اُسی خدا کا بلایا بول رہا ہے۔ جو کامل علم اور کامل طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے ناکامی پر ناکامی دیکھ کر آخر خدا کے بڑے وعدے کو فتح مکہ پر پورا ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُنھوں نے یقین کر لیا کہ جن معجزات کو وہ جھٹلاتے تھے یا جن پر وہ ہنسی کرتے اور ان کو سحر کہتے تھے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معجزات کیساتھ ایک باریک رنگ اخفا کا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض وقت ان میں دھوکے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایک چالاک آدمی محض اپنی چالاکی سے معجزہ کے رنگ کا کوئی کرتب کر دکھاوے۔ اسلئے کامل تسلی اور کامل یقین اُسی نشان سے حاصل ہوتا ہے جو خود انسان کے اوپر وارد ہو۔ سو مومن پر یہ نشان رحمت آلہی کے رنگ میں وارد ہوتا ہے۔ اور کافر پر عذاب کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان معجزات کی تفصیلوں کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھا ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے۔ اور اس ایک نشان کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں اور فتوحات کے متعلق تھا۔ اور کافروں کی ناکامی اور ذلت کے متعلق بوضاحت تمام

جس کو ان کا نتیجہ کہا جاتا ہے تعلق کیا ہے ثابت تو یہ کرنا چاہئے تھا کہ ایسے امور مثلاً تعدد ازدواج
پردہ اور طلاق تمام زمانوں میں اور ہر ایک قسم کے حالات کے ماتحت ان لوگوں کے زوال کا موجب
ہیں جن کے درمیان وہ رائج رہے ہیں اور ایسا ہی یورپ میں ان کی عدم موجودگی تہذیب کی ترقی اور
علوم وفنون کی ترقی کا موجب ہوتی رہی ہے۔ نیز یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ جہاں کہیں دو قومیں ہوں
تعدد ازدواج اور پردہ کی رسوم کے باقی سب معاملات میں ایک ہی حالات کے ماتحت تھیں تو
ان امور کے ہونے نے ایک قوم کی ترقی کو روکا اور ان کی نہ ہونے کے سبب سے دوسری قوم واقعی ترقی کے معراج
پر پہنچ گئی۔ اس قسم کی مثالیں اور اس قسم کے واقعات اگر کوئی تھے تو پہلے اکٹھے کئے جاتے اور پھر
انکی بنیاد پر ایسا نتیجہ نکالا جاتا۔ جو اب بے بغیر تحقیق کے نکالا گیا ہے۔ اگر ایسی کوشش کیجاتی تو
معلوم ہو جاتا کہ یہ امور کسی طرح بھی مسلمانوں کے موجودہ زوال کا موجب نہیں۔ اور یہ بڑی بھاری
غلطی ہے کہ ان کے ہونے کو مسلمانوں کے زوال کا موجب اور ان کے نہ ہونے کو عیسائی قوموں کی ترقی
کا موجب قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ طریق اختیار کرنے سے ترقی کے اصل وجوہات الگ کے الگ رہ جاتے ہیں
اور ایسے حالات سے الزام قرار دیا جاتا ہے جن کے ساتھ اسے قطعاً کچھ تعلق نہیں۔ یہ خیال جو
ہمارے مہذب دوستوں کو سوجھا ہے ان یورپین مصنفوں کو کبھی نہیں سوجھا جنہوں نے مغربی
تہذیب پر بڑی تحقیق سے ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ یعنی یہ کہ انکی ساری ترقی تعدد ازدواج اور
طلاق کے نہ ہونے کے سبب سے ہوئی ہے۔ اگر واقعی یہ خیالات ایک ترقی یافتہ قوم کے خیالات ہیں
تو یورپ ضرور اب تک جہالت کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یورپین لوگوں کو اسلام میں
تعدد ازدواج کے جائز ہونے پر اعتراض ہے لیکن کسی نے کبھی ایسا خیال نہیں کیا کہ تعدد ازدواج
کے نہ ہونے کے سبب سے ہی یورپ نے مادی دنیا میں یہ عظیم الشان ترقی کی ہے۔ اصل بات یہ ہے
کہ اگر اس دلیل کو صحیح مان لیا جائے کہ اسلام کے زوال کا موجب تعدد ازدواج وغیرہ ہی ہیں تو پھر اس
بیان کو بھی صحیح ماننا پڑیگا کہ خنزیر اور شراب اور جوا کی مخالفت سے اور خدا کے انسان ہو جانے کے عقیدہ
کو رد کرنے سے ہی مسلمانوں پر یہ تنزل آیا ہے۔ اور ان امور کا جواز اور ایسا ہی ایک انسان کے خدا ہونے
کا عقیدہ مغربی تہذیب کے معراج پر پہنچنے کے باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر ہمارے تہذیب یافتہ بھائی
مسلمانوں کے آگے یہ تجویز پیش کرنے کیلئے تیار ہونگے کہ ان غیر ضروری روکوں کو دور کرنا چاہئے
جیسا کہ اب وہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ تعدد ازدواج اور طلاق کی غیر ضروری اجازت کو دور کرنا چاہئے
ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے مہذب بھائیوں کی ذہانت نے کیسا غلط پہلو اختیار کیا ہے ؎

اگر کوئی شخص اسلام اور عیسائیت کی تاریخ کو مطالعہ کریگا۔ تو اِن دونوں مذہبوں کی ترقی میں ایک امر بالخصوص اُس کو حیرت میں ڈالیگا۔ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ عیسائی مذہب اُس وقت پیدا ہُوا جب رومیوں کی تہذیب جو اُس وقت کی تہذیبوں میں سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اپنے معراج پر تھی اور ایسا ہی یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ انہی رومیوں کے درمیان ہی عیسائیت کو اپنی پہلی فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ عیسائی عقیدہ کے بڑھنے اور پھیلنے کے ساتھ رومی تہذیب میں آہستہ آہستہ زوال آنا شروع ہُوا۔ دوسری طرف اسلام اُن لوگوں کے درمیان پیدا ہُوا جو اُس وقت تک ایک وحشیانہ حالت میں تھے۔ اور نہ صرف اسیقدر بلکہ دُنیا کی دوسری قومیں بھی اُس وقت جہالت اور تاریکی میں غرق تھیں۔ اور قدیم دُنیا کی ہر ایک تہذیب زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اور اس امر کے ماننے سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا ایک نیا دن دنیا پر چڑھا۔ اس کا پاک اثر نہ صرف عربوں پر ہی پڑا بلکہ اُس نے اُن تمام قوموں کی حالت کو بھی بدل دیا جن کے درمیان یہ قائم ہُوا۔ اس طرح پر ایک عجیب فرق ان دو مذہبوں کی ترقی میں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح پر اُن دونوں نے الگ الگ اثر اُن قوموں پر ڈالا جنھوں نے اُن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی ایک اور ضروری سلسلہ واقعات کا بھی نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ جبتک عیسائی عقاید عروج پر رہے عیسائی قومیں وحشت کی ظلمت میں ڈوبی رہیں۔ لیکن جب اس مذہب کے خاص عقائد کا رعب دلوں پر سے جاتا رہا۔ اور اُن میں زوال آنا شروع ہُوا تو پھر عیسائی قوموں نے تہذیب کی روشنی سے حصہ لیا۔ اگر غور سے دیکھا جاوے تو عیسائی دنیا نے جو پُرانی تہذیبوں پر ترقی دکھلائی ہے۔ وہ گذشتہ صدی میں ہی اُن کو حاصل ہوئی ہے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جبکے اندر عیسائی عقاید کو سخت صدمات پہنچے ہیں۔ اور عیسائی مذہب کا زوال شروع ہوا ہے۔ اب اِن واقعات کے بالمقابل یہ امر غور طلب ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب میں ٹھیک اس وقت زوال شروع ہوا جب مسلمانوں نے اسلام کے اصول کو چھوڑ دیا۔ اور یہ واقعہ ہم اُن تمام ممالک میں دیکھتے ہیں جہاں مذہب اسلام کو غلبہ حاصل رہا تھا۔ اور جن ممالک کو اسلام نے ترقی کے معراج پر پہنچایا تھا +

اب یہ بالمقابل واقعات کا سلسلہ ایسے امور پر مبنی ہے جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس مقابلہ سے وہ اصلی اور ضروری فرق ظاہر ہوتا ہے جو اسلامی اور عیسائی تہذیبوں میں ہے۔ یہ ایک اتفاقی امر نہیں کہ عیسائیت کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا زوال شروع ہوا یا یہ کہ عیسائیت کے زوال کے ساتھ تہذیب کی ترقی شروع ہوئی۔ اور نہ ہی یہ واقعہ نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔

کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب نے ترقی کی۔ اور اس کے اصول کا اثر کم ہونے کے ساتھ تہذیب میں زوال شروع ہوا۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی تہذیب اپنی رفتار میں ایک خاص مقام پر پہنچ کر اسلئے ٹھیر گئی کہ اسلام کے اصول کے اندر ہی کچھ نقص تھا بالکل جھوٹ ہے مسلمانوں کی تہذیب کا ایک خاص مقام پر ٹھیر جانا یا اُس میں زوال کا شروع ہو جانا ہرگز اس سبب سے نہیں ہوا کہ اسلام کے اصول کے اندر یا اُسکے قائم کردہ رواجوں کے اندر کچھ نقص تھا۔ بلکہ اصل سبب اس زوال کا جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے۔ کہ اُن اصولوں پر جو اسلام نے سکھلائے تھے عمل چھوڑ دیا گیا۔ اور اُن رواجوں کو جو اُس نے قایم کئے تھے بُرے طور پر استعمال کیا گیا۔ اور اس طرح پر وہ تحریکیں جو ابتدا میں تہذیب کی ترقی کا باعث ہوئی تھیں مسلمانوں کے درمیان سے اُٹھ گئیں۔ الغرض یہ فرق جو اِن دو مذہبوں کے اصولوں کی ترقی و تنزل میں پایا جاتا ہے اس وجہ سے ہے۔ کہ ان اصولوں کا انسانی حرکت و انسانی تہذیب کے بواعث پر ایک خاص اثر ہے۔ غور کی نظر سے معلوم ہوگا کہ ان دو مذہبوں کے اہم اصولوں میں بڑا فرق یہ ہے۔ کہ موجودہ عیسائی عقاید نے جو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کی موت کے کچھ وقت بعد تجویز کئے گئے عیسائی قوموں کو توہم پرست زُود اعتقاد علم سے متنفر سُست اور ناقابل ترقی بنا دیا۔ اور اسلام کے اصولوں نے جیسا کہ اُس کے مُقدّس بانی نے سکھائے تھے اُس کے پیروؤں میں کام کرنے اور ترقی کرنے کے لئے ایک تحریک پیدا کی۔ اور تحقیق کی رُوح اُن میں پھونکی اور علوم کے ساتھ محبت پیدا کی۔ ان دعاوی کی تائید اِن دونوں قوموں کی تاریخ سے کافی طور سے ہوتی ہے۔ اور ہماری سمجھ میں یہی اُنکی سچائی کا کافی ثبوت ہے۔ لیکن اب ہم ان عقاید اور اصول کو پیش کر کے یہ بھی دکھاتے ہیں۔ کہ اُن سے ان لوگوں کے درمیان جو ان کے پیچھے چلیں کس قسم کی روح کے پیدا ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔

عیسائیت کا سب سے بڑا عقیدہ یا یوں کہنا چاہئے کہ مذہب عیسائیت کی بُنیاد مگر نہ اُس عیسائی مذہب کی جو مسیح نے سکھایا بلکہ پولوس نے تجویز کیا اور جو آجکل سکھلایا جاتا ہے اس مذہب کی جڑھ کفارہ ہے جس کو خواہ کسی رنگ میں بیان کیا جاوے۔ اور کسی طرح سے ہیر پھیر کر کے اسکی تشریح کیجائے اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ عام عیسائیوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی معنے نہیں رکھتا۔ کہ اُن کا بوجھ کسی دوسرے نے اٹھا لیا ہے۔ یہ کفارہ جس کے رو سے ایک کے فرائض کی ادائیگی دوسرے پر جا پڑتی ہے ضرور تھا کہ انسانی حرکت پر جو ترقی کیطرف

ہونی چاہئے ایک مُردگی کا اثر پیدا کرتا کیونکہ اس کے رو سے انسان کو یہ ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ خود کوئی کام کرے۔ اور جو جو فرائض اسکے متعلق تھے ان سب کے متعلق یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ دوسرے نے ادا کر دیئے۔ اس عقیدہ پر ایمان رکھ کر ایک آدمی خیال نہیں کرتا کہ اس کا یہ فرض ہے کہ اپنی یا اپنی قوم کی بہتری کے لئے کچھ کام کرے۔ بلکہ اس کے نزدیک جو کچھ انسانی بہتری کے لئے ہو سکتا تھا وہ سب یسوع مسیح کر چکا ہے۔ اس طرح پر کفارہ نے انسانی ترقی کی حرکت کو بالکل ٹھہرا دیا اور تمام انسانی قوٰی کو کُند کر دیا۔ ایسا ہی تثلیث کی راز نے جس پر عیسائی عقیدہ کے موافق ایمان لانا ضروری تھا علوم کے دروازہ کو بند کر دیا۔ کیونکہ کوئی شخص اس راز کے نزدیک نہ جا سکتا تھا اور ہر ایک عیسائی کا فرض تھا کہ وہ بن سمجھے دور سے ہی اس کی تعظیم کرے۔ اس طرح پر دلائل کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور عقلی قوٰی کو اپنے کام سے رکنا پڑا۔ کیونکہ ان کے استعمال سے کفر تک نوبت پہنچتی تھی عیسائیت کے سیدھے سادے اور معقول اصول کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس کے یسوع کی خدائی اور تثلیث اور کفارہ کے عقاید نے عقل کو سرے سے جواب دیا اور ایک ایسی علمی تاریکی میں عیسائی قوموں کو غرق کر دیا جس سے وہ کئی صدیوں کے بعد اس وقت باہر نکلیں جب علم کی روشنی اسلام کے منارہ پر بلند ہوئی۔ علاوہ ازیں انجیلی تعلیم کا فلسفہ خواہ وہ ایک خاص قوم اور اس میں بھی ایک خاص زمانہ کیلئے کیسا ہی موزوں کیوں نہ ہو کسی مہذب سوسائٹی کی بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔ درحقیقت اگر کوئی سوسائٹی انجیلی تعلیم کے اصول پر عمل کرے تو وہ یقیناً برباد ہو جائیگی۔ اور نہ ہی انسانی افراد اس تعلیم پر عمل کر کے سوسائٹی کے مفید ممبر ہو سکتے ہیں "شر کا مقابلہ مت کرو" ایک عمدہ اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمام حالتوں کے ماتحت اس پر عمل کرنا چاہئے۔ مثلاً کیا ایک آدمی کو چاہئے کہ جب کوئی اسکی عورت پر حملہ کرے یا اسکے دوست کو قتل کر رہا ہو یا اس کے مال کو چرا رہا ہو تو وہ خاموشی سے دیکھتا رہے اور کچھ نہ کرے۔ پس اس قسم کے اصول خواہ وہ اخلاقی طور پر کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے معلوم ہوں کسی قوم کو تہذیب کے معراج پر نہیں پہنچا سکتے۔

ایک طرف تو کفارہ کا انسانی ترقی کی حرکت پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اس حرکت کو بالکل روک دیا اور دوسری طرف جو کچھ اس کے حامیوں میں ہاں کی طبیعت یا قابلیت تھی اس کو اس طرف لگا دیا کہ بیفائدہ طور پر یسوع مسیح کی اس کام کے لئے حد سے زیادہ تعریفیں شروع کر دیں۔ جس نے فرضی طور پر اپنی موت کے ساتھ انسانی نسل کو نجات دی تھی۔ یہی ایک مضمون تھا جو

اس زمانہ میں عیسائی سوسائٹی کی تمام توجہ کو مبذول کر رہا تھا۔ ایک شخص کے دل میں اس خیال سے آنے کا کہ یسوع مسیح میرے گناہ لیگیا ہے۔ خواہ وہ دراصل پہلے سے بھی بڑھکر موجود ہوں یہ اثر ہوتا تھا کہ اسے اطمینان کے سبب سے اُسکے خیالات میں ایک سکون کی حالت پیدا ہو جاتی۔ اور ان بیہودہ خیالات نے کہ ایک شخص کے ایک ہی فعل سے دُنیا کے تمام گناہ مٹ گئے ہیں ترقی کی حرکت کی بجائے ایک ایسی قسم کا خیال پیدا ہو گیا جس نے کام سے روک دیا۔ اور اس طرح پر عیسائی سوسائٹی کو بے حرکت اور کاہل بنادیا یہی وجہ تھی کہ جبھی کہ عیسائیت نے رومی سلطنت میں قوت حاصل کی۔ تو اُن لوگوں کی تہذیب میں زوال شروع ہو گیا۔ یہانتک کہ آخرکار روشنی بجھ کر تمام یورپ جہالت اور کام سے بے اعتنائی کی تاریکی میں غرق ہو گیا۔ جس میں سے آہستہ آہستہ اُس نے اسی وقت نکلنا شروع کیا جب اسلامی تہذیب نے دُنیا میں ایک نئی روشنی جلادی تھی۔ اور آخرکار جب اُس کفارہ کو جو پولوس نے سکھایا تھا عیسائی اقوام نے خیرباد کہدیا۔ تو ان اقوام کی کل طاقت جو اب قید سے آزاد ہو گئی حرکت میں آئی۔ اور وہ حیرت انگیز ترقی پیدا کی جو ہم آج دیکھتے ہیں +

اسلام کی ترقی نے دنیا میں الگ قسم کے حالات پیدا کئے۔ اسکی پیدائش کے وقت کل دنیا کیا بلحاظ تمدن کے اور کیا بلحاظ اخلاق کے جہالت اور وحشت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اس کے ظہور کے ساتھ علم اور تہذیب کی مشعل پھر روشن ہوئی جو دنیا کو اپنی روشنی اس وقت تک پہنچاتی رہی جبتک کہ اسلام کے سچے اصول کی پیروی ہوتی رہی۔ اور جب وہ بھلا دئے گئے اور کام اور حرکت کی بجائے پھر سُستی اور بیحرکتی پیدا ہو گئی تو اس روشنی میں بھی تاریکی آنی شروع ہوئی۔ حقیقت میں اسلام کا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے پہلا اصول وہ ہے جو کفارہ کی جڑھ کاٹتا اور اس طرح پر سستی اور غفلت کو دنیا سے دور کرتا ہے۔ اور وہ ہے کام۔ یہ امر صرف اُس حیرت انگیز ترقی ہی سے ثابت نہیں جو پہلے مسلمانوں نے کی۔ بلکہ اسلام کی تعلیم پر غور کرنے سے بڑی صفائی سے یہ کھل جاتا ہے۔ کہ اُن اصول میں کام کرنا روح ہے یہی ابتدائی اسلامی دنیا میں ترقی کو حرکت دینے والا تھا۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان کی بہتری اور سوسائٹی کی بہتری اسی میں ہے کہ انسان خود کچھ کرے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ یسوع کی موت سے کفارہ کے عقیدہ کو ان الفاظ میں جڑھ سے کاٹتا ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس طرح پر ہر ایک شخص کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی نجات کے لئے خود ہی کام کرے۔ اور اُن کو کام کی ترغیب دے کر کاہلی اور بیکاری کی جڑھ کاٹتا ہے۔ اور دوسری طرف پر ذرا الفاظ میں ہر ایک انسان کو خود سعی کرنے کا

یوں حکم فرماتا ہے ”ان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری“ - یعنے انسان کو کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی ہے مگر وہی جو وہ خود کوشش کرے - اور جو خود کوشش کریگا - وہ اپنی محنت کا پھل بھی پالیگا - ایسا ہی جہاں جہاں قرآن شریف میں ایمان کا ذکر ہے وہاں اعمال کی ساتھ شرط ہے - اس طرح پر نہایت صاف الفاظ میں حکم دیکر مسلمانوں کو کام پر لگایا گیا - اور جب تک اسلامی دُنیا ان لفظوں پر کاربند رہی وہ تمام قوموں میں سب سے اوپر شمار ہوتی رہی - اور اُن کے لئے بطور ایک ہادی اور رہنما کے کام کرتی رہی - مگر جب مرور زمانہ سے یہ الفاظ بھلا دئیے گئے - اور مسلمان پھر سُستی اور بیکاری میں ڈوب گئے تو اُنہوں نے اپنی جگہ کھو دی اور قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ترقی کے معراج سے گر گئے +

یہ سُستی آج تک اسلام میں چلی جاتی ہے - اور زیادہ تر افسوس کی بات یہ ہے - کہ یہ اُن لوگوں سے بھی دُور نہیں ہوئی جو تہذیب یافتہ ہونے کے مدعی ہیں - یہ ایک لمبی نیند تھی جس میں اسلامی دُنیا اس وقت پڑ گئی جبکہ اُس نے اسلام کے پاک اصول پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور بدقسمتی سے وہ لوگ جو سب سے پہلے اس نیند سے جاگے مغربی تہذیب کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں چُندھیا گئیں - اور وہ اصل حقیقت کو نہ دیکھ سکے - اور اس تہذیب کے غلط وجوہات قرار دیکر ایک نئی غلطی میں مُبتلا ہو گئے - اگر وہ آہستہ سے اور ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کرتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام کی ترقی کا بیج اسلام کے اصولوں میں ہے - اور یہ کہ عیسائی اقوام نے بھی کوئی ترقی نہیں کی جب تک کہ انہوں نے اسلام کے اُن اصولوں پر عمل کرنا شروع نہیں کیا جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں - یہی وجہ گذشتہ زمانوں میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کی اور موجودہ زمانہ میں عیسائیوں کی اعلےٰ ترقی کی ہے - اگر عیسائی اقوام کو آج یہ کہا جاوے کہ وہ عیسائیت کے اصول پر چلیں تو وہ بہت جلد پھر وحشت کی حالت میں گر جاوینگی - اور اگر مسلمانوں کو پھر آج یہ امر نصیب ہو جائے کہ وہ اسلام کے سچے اصول پر چلیں تو وہ پھر بہت جلدی تمام دنیا کی اقوام سے فوقیت لے جائینگے - یہ محض دل خوش کُن لفظ نہیں ہیں - کیونکہ ہم نے واقعات کی بنا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے اصول ترقی کے اصول ہیں - اور عیسائی مذہب کے اصول تنزل کے اصول ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان دو مذہبوں کی رفتار میں یہ دو الگ الگ قسم کے حالات نظر نہ آتے یعنی اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور عیسائیت کا قابل افسوس جہالت میں پڑے رہنا - اسلام کا دُنیا کو علوم کی طرف

متوجہ کرنا بھی اسی مذہب سے مخصوص امر ہے عیسائیت کیطرح اِس نے کسی ایسے راز کی تعلیم نہیں دی جس کے نزدیک جانا ممکن نہ ہو۔ بلکہ بار بار انسانی عقل اور فکر کو متوجہ کیا۔ اور اس طرح پر ان قوے کو کام میں لگایا۔ اسلام نے سب چیزوں کی اصلیت پر غور کیا ہے۔ اور باریک بینی سے ہر ایک چیز کی تہ کو پہنچا ہے۔ کوئی بھی چیز جو درحقیقت مضر تھی اپنی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے اُسکو اپنی طرف نہیں کھینچ سکی۔ اور نہ ہی اُس نے کسی چیز کو جو درحقیقت مفید تھی کسی ایسے امر کے سبب سے جو بظاہر نقص معلوم ہوتا ہو چھوڑا ہے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ شراب سے طبیعت میں ایک خوشی اور روح میں ایک فرحت پیدا ہوتی ہے۔ یا یہ کہ قمار بازی کی مختلف صورتیں بہلاوٹ کا عمدہ ذریعہ ہیں لیکن اسلام ان ظاہری خوبصورتیوں سے اُن کی مفید ہونے کا قایل نہ ہو سکتا تھا۔ اُس نے انکے بُرے نتائج کو دیکھا جو آخرکار اُن سے پیدا ہونے والے تھے۔ اور یہ کہہ کر کہ "اثمھما اکبر من نفعھما" یعنے اُن کی بدی اُن کی منفعت سے بہت بڑھ کر ہے۔ ان دونوں سے منع کر دیا۔ طلاق اُن لوگوں کو اپنے غلط خیال کی وجہ سے بُری معلوم ہو سکتی ہے۔ جو نکاح کو ایک ایسا عہد سمجھتے ہیں جو کبھی توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن اسلام نے دیکھا کہ انسانوں کے لئے طلاق ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ اور کہ بعض حالات کے ماتحت انسانی افراد اور انسانی سوسائٹی کے لئے یہ نہایت ہی مفید ہے۔ اور اس لئے اسکی اجازت دی۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ایک خاص قوم کے خیال میں جو صدیوں سے بالکل الگ حالات کے ماتحت چلی آئی ہے بُری معلوم ہو تو ہو۔ لیکن اسلام اسبات کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس کے واسطے ساری دُنیا کے منافع اور اغراض کو مدنظر رکھنا ضروری تھا نہ کہ ایک خاص قوم کے خیالات کو۔ پس جب اسلام نے دیکھا کہ تعدد ازدواج بعض بیماریوں کا ضروری علاج ہے۔ تو اُس نے بطور علاج کے اسکی اجازت دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ یہ بالکل غلط خیال ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواجی قاعدہ کے طور پر ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔ کہ اس اجازت سے صرف خاص حالات کے ماتحت فائدہ اُٹھایا جاتا ہے +

الغرض اسلام کے اصول پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا تنزل ان اصول میں کسی نقص کے ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ ان اصول کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور بعض اُن امور کی بد استعمالی کی وجہ سے جو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ عیسائیت کے عقیدوں کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ جہالت اور وحشیانہ حالت کا

ترقی کرنا ایک واقعہ ہے اسلام کے اصول کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ علم اور تہذیب کا ترقی کرنا ایک دوسرا واقعہ ہے عیسائیت میں ترقی کا اور تہذیب کا اس وقت سے شروع ہونا جب سے عیسائی عقاید میں تنزل شروع ہوا ایک تیسرا واقعہ ہے۔ اور ان تینوں واقعات کے ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اور جب اس امر پر غور کیا جاتا ہے۔ کہ اسلام اور عیسائیت کے اصل اصول جو ان قوموں کے لئے بطور رہنما کے تھے ایک دوسرے سے بالکل مخالف پڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر تینوں متذکرہ بالا واقعات سے یہ چوتھا واقعہ بطور لازمی نتیجہ کے پیدا ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی ترقی اور اس کے تہذیب کے معراج پر پہنچنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسلام کے اصول دوبارہ زندہ ہوں۔ اور مسلمان دوبارہ اُن پر قائم ہو جاویں۔ اور اس امر کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک ہی وہ چیز جس کی ضرورت ہے یہ ہے کہ ایک ایسے ہادی کا ہاتھ ہو جو اس کے مقدس بانی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکے اور اُن کے اندر ایک نئی حرکت پیدا کرے۔ اور اسی کے نقش قدم پر چل کر دوبارہ ایک اُسی قسم کی قوم تیار کرے جیسی آنحضرتؐ نے کی تھی +

روحونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجاآوری کے لئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتیں (جو مشیتِ ایزدی سے نکلی ہیں اور ضرور پوری ہو کر رہینگی) پوری ہوں۔ اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ میں حسنات وثواب دارین کے مستحق بنیں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین +

مینجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم۔ برادرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عیدین کے مبارک ایام کے چندہ عید فنڈ کے لئے ہر موقعہ یاد دلایا جاتا ہے کہ محض بغرض حصول ثواب و حسنات دارین کے یہ چندہ عید فنڈ ایک روپیہ فی کس احمدی ممبر اور صدقۂ فطر مدرسہ کے یتامے اور مساکین کے واسطے اپنا اور اپنے شہر کی جماعت کا جمع کرکے جس قدر جلد ہوسکے بنام مہتمم مدرسہ ارسال فرماویں بسبب کالج بننے اور مدرسہ کے سرکاری منظور ہو جانے کے عمارت اور سامان اور ملازمین مدرسہ اور وظائف غربا اور کتب خانہ وغیرہ امور کے واسطے بہت سے فنڈ کی ضرورت ہے۔ جس کا جمع ہونا آپ صاحبان کی توجہ کو چاہتا ہے۔ والسلام +

مفتی **محمد صادق** عفی اللہ عنہ قائم مقام ڈائرکٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ یا سال رواں کا بقایا تھا اُن جملہ باقی داروں کو ترسیل مطالبہ و تصفیہ حساب کیواسطے علاوہ متواتر یاددہانی ہائے مندرجہ اعلان میگزین کے خاص طور پر کارڈ یاددہانی بھیجے جاچکے ہیں لیکن باایں ہمہ بیباقی حساب کی طرف کم التفاتی پائی جاتی ہے۔ جن باقیداران کے ذمہ سابقہ پورانا بقایا چلا آتا تھا اور باوجود یاددہانی کچھ توجہ ادائیگی مطالبہ کیطرف نہیں ہوتی تھی انکے نام پرچہ نومبر ۱۹۰۷ء حسب اطلاع سابقہ وی پی بھیجا گیا ہے تاکہ اسقدر کارروائی کے بعد بھی جن صاحبان کی جانب سے بقیہ حساب کی بیباقی نہ ہووے تو اُن سے خط وکتابت کرکے آخری فیصلہ کیا جاوے کہ سابقہ مطالبہ کی وصولی کے بعد آیندہ انکے نام پرچہ بند کیا جاوے چونکہ سال رواں بھی اب قریب الختم ہے اسواسطے جنکے ذمہ صرف سال حال کا مطالبہ ہے وہ بھی زر چندہ ذمگی خود جلدی ارسال کرکے بیباقی حساب کریں +

(۲) ہر قسم کی خط وکتابت و ترسیل جملہ رقوم زرچندہ وغیرہ متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام منیجر میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی دیگر شخص یا مالک مطبع کے نام۔ کیونکہ اس طرح علاوہ طوالت وہرج کام کے حساب میں مغالطہ کا اندیشہ ہے +

(۳) ترسیل روپیہ یا خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت میں شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

مینجر

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں - اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیئر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں یہ دکان میرے متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے۔ المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل